

آہ کی تاثیر اور فغاں کی توقیر کا دبستان

کلام میر تقی میر

میر اُن نیم باز آنکھوں میں | دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
ساری مستی شراب کی سی ہے | یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے



ترتیب: سنبل سرفراز

۴۰

بجر و فراق، آہ و نالہ اور درد و الم کا نوشتہ ہر زمان



میر تقی میر

☆
دریافت و انتخاب: سنبل سرفراز
☆

مکتبہ الفتوح

کمرہ نمبر 30 - تیسری منزل، عزیز مارکیٹ، اردو بازار لاہور

فون: 0333-4304938

کلام میر تقی میر

- 13 حمد --- دل رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا
- 14 نعت --- ہے حرفِ خامہ دل زدہ حسن قبول کا
- 15 نعت --- رحمۃ للعالمین یا رسول اللہ ﷺ
- 18 منقبت --- جو معتقد نہیں ہے علیؑ کے کمال کا
- 19 منقبت --- ہادی علیؑ، رفیق علیؑ، رہ نما علیؑ
- 21 مرثیہ --- فردا حسین می شود از دہرنا امید

غزلیات

- 29 اس عہد میں الہی محبت کو کیا ہوا
- 29 الہی ہو گئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوانے کام کیا
- 31 چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر: حافظ محمد علی ارسلان - ہاشم نعمان منی

پرنٹر: چوہدری طاہر حمید پرنٹرز لاہور

کمپوزنگ و ٹائٹل: خرم سرفراز (0333-4304938)

قیمت: 36-00 روپے

سٹاکسٹ

روبی پبلی کیشنز

دوسری منزل، راجپوت مارکیٹ، اردو بازار لاہور

Ph: 0303-6416808

- دیکھے گا جو تجھ رو کو سوجیراں رہے گا 32
 جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا 33
 منہ کا ہی کرے ہے جس تس کا 34
 سحر گہ عید میں دور سبوتھا 36
 ابتداءئے عشق ہے روتا ہے کیا 36
 بیکسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا 37
 ہمارے آگے ترا جب کسوں نے نام لیا 37
 میر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا 38
 کئی دن سلوک دواع کا مرے در پئے دل زار تھا 40
 مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا 40
 گرمی سے میں تو آتش غم کی پگھل گیا 41
 تا بمقدور انتظار کیا 42
 آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا 42
 وہ جو پی کر شراب نکلے گا 44
 تجاہل تغافل تساہل کیا 45
 سینہ کو بی ہے طیش سے غم ہوا 45
- دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ یہ دل ہے کیا 46
 ہو بلبل گلشت کہ اک دن ہے خزاں کا 47
 کیا پوچھو ہو کیا کہئے میاں دل نے بھی کیا کام کیا 47
 عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا 48
 جو اس شور سے میر روتا رہے گا 49
 بارہا گور دل جھکا لایا 50
 ہر دم طرف ہے ویسے مزاج کرخت کا 50
 ہم عشق میں نہ جانا غم ہی سدا رہے گا 51
 بھلا ہوگا کچھ اک احوال اس سے یا برا ہوگا 52
 یاں نام یار کس کا دردِ زباں نہ پایا 53
 جو یہ دل ہے تو کیا سر انجام ہوگا 54
 نہ پوچھ خواب زلیخانے کیا خیال لیا 55
 نقاش دیکھ تو میں کیا نقش یار کھینچا 55
 عمرے نے اس کے چوری میں دل کی ہنر کیا 56
 ہاتھ سے تیرے اگر میں ناتواں مارا گیا 57
 اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا 58

- 73 گئے جی سے چھوٹے بتوں کی جفا سے
- 74 کبکبوں نے تیری چال جو دیکھی ٹھنک گئے
- 75 زندگی ہوتی ہے اپنی غم کے مارے دیکھئے
- 76 آنکھیں لڑا لڑا کب تک لگا رکھیں گے
- 77 اپنا شعار پوچھو تو مہرباں وفا ہے
- 78 حرم کو جائیے یا دیر میں بسر کرے
- 79 جب تک کڑی اٹھائی گئی ہم کڑے رہے
- 79 شش جہت سے اس میں ظالم بوئے خوں کی راہ ہے
- 80 مشکل ہے ہونا روکش رخسار کی جھلک کے
- 81 تا چند ترے غم میں یوں زار رہا کیجئے
- 81 میری پرشش پہ تری طبع اگر آوے گی
- 82 کیا کروں شرح خستہ جانی کی
- 83 ہے یہ بازار جنوں منڈی ہے دیوانوں کی
- 84 آگے ہمارے عہد سے وحشت کو جانہ تھی
- 84 تیری گلی سے جب ہم عزم سفر کریں گے
- 85 چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی

- 59 دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا
- 59 موا میں سجدہ میں پر نقش میر یار رہا
- 61 دل کے تیں آتش ہجراں سے بچایا نہ کیا
- 61 آگے جمال یار کے معذور ہو گیا
- 62 عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
- 63 اس کا خرام دیکھ کے جایا نہ جائے گا
- 64 بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا
- 65 دل فرط اضطراب سے سیماب سا ہوا
- 67 گل کو محبوب ہم قیاس کیا
- 67 کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو
- 68 قیامت تھا سماں اس خشمگین پر
- 69 غصے سے اٹھ چلے ہو جو دامن کو جھاڑ کر
- 70 قصد گر امتحان ہے پیارے
- 71 جس جگہ دور جام ہوتا ہے
- 71 تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے
- 72 چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجئے

- 86 گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کی
- 87 دل کو تسکین نہیں اشک دمام سے بھی
- 87 تاب دل صرف جدائی ہو چکی
- 88 اس وعدہ کی رات وہ آئی جو اس میں نہ لڑائی ہوئی
- 89 موسم ہے نکلے شانوں سے پتے ہرے ہرے
- 90 خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی طاقت کی
- 90 فکر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی
- 91 خرابی کچھ نہ پوچھو ملکیت دل کی عمارت کی
- 92 میں نے جو بیکسانہ مجلس میں جان کھوئی
- 93 الم سے یاں تئیں میں عشق ناتوانی کی
- 94 لا علاجی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی
- 94 رکھتا ہے ہم سے وعدہ ملنے کا یار ہر شب
- 95 اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پر آب روز و شب
- 96 کس کی مسجد کیسے بتخانے کہاں کے شیخ و شاب
- 98 روزانہ ملوں یار سے یا شب ہو ملاقات
- 98 سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جانناں سمیت
- 99 کیا کہیں اپنی اُس کی شب کی بات
- 100 ہر صدم کروں ہوں الحاج یا اثابت
- 100 پلکوں پہ تھے پارہ جگر رات
- 102 جیتا ہی نہیں ہو جسے آزار محبت
- 103 ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یار و پرانی بات
- 103 نہ پایا دل ہوا روز سیہ سے جس کا جالٹ پٹ
- 104 آئے ہیں میر منہ کو بنائے جفا سے آج
- 104 کاش انھیں ہم بھی گنہ گاروں کے بیچ
- 105 فائدہ مصر میں یوسف رہے زندان کے بیچ
- 106 کرنے تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے بیچ
- 107 ساتھ ہواک بیکسی کا عالم ہستی کے بیچ
- 108 ہونے لگا گدا ز غم یار بے طرح
- 109 کیا ہم بیاں کسو سے کریں اپنی بانگی طرح
- 110 آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
- 110 ہم گرفتار حال ہیں اپنے
- 111 میرے سنگ مزار پر فرہاد

- 113 آواز ہماری سے نہ رک ہم ہیں دعا یاد
113 غیروں سے دے اشارے ہم سے چھپا چھپا کر
114 نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی اے جس بہتر
115 دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
116 یہ عشق بے اجل کش ہے بس اے دل اب تو کل کر
117 آشوب دیکھ چشم تری سر رہے ہیں جوڑ
118 ہوتا نہیں ہے باب اجابت کا واہنوز
119 ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز
120 اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس
120 کیونکہ نکلا جائے بحر غم سے مجھ بے دل کے پاس
121 ہر جزر و مد سے دست و بغل اٹھتے ہیں خروش
122 ہم اور تیری گلی سے سفر دروغ دروغ
123 ہے آگ کا سانالہ کا ہش فزا کا رنگ
124 رہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
124 عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم
125 بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں

- 126 یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
127 لب ترے لعل ناب ہیں دونوں
128 ہے غزل میر یہ شغالی کی
128 کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی
129 چلتے ہو تو چمن کو چلئے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
130 دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
131 برنگ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
132 ہستی اپنی حباب کی سی ہے
133 اب قلم ہے اس خاطر تا غیر بھلا مانے
133 دل کے معمورے کی مت کر فکر فرصت چاہئے
134 جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے
135 اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
136 ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
137 ادھر سے ابراٹھ کر جو گیا ہے
138 عمر بھر ہم رہے شرابی سے
138 کیا پوچھتے ہو عاشق راتوں کو کیا کرے ہے

حمد

دلِ رفتہء جمال ہے اس ذوالجلال کا
مجمع جمیع صفات و کمال کا

ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل گیا
اودھر نہیں گزار گمان و خیال کا
حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں انہوں کے حال و قال کا
ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ و گرنہ سب میں ہے اُس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر اگر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

□□□

- 140 فقیرانہ آئے صدا کر چلے
141 گلگشت کی ہوس تھی سو تو بگیر آئے
143 چمن یار تیرا ہوا خواہ ہے
144 ڈھب میں تیرے سے باغ میں گل کے
144 شمع صفت جب بکھومر جائیں گے
144 قیامت ہیں یہ چسپاں جامے والے
145 بے یار شہر دل کا ویران ہو رہا ہے
146 دن دوری چمن میں جو ہم شام کریں گے

مثنویات

- 147 جھوٹ
149 گھر کا حال
155 برسات کی شدت
160 خواب و خیال

☆.....☆.....☆

نعت

ہے حرف خامہ دل زدہ حسن قبول کا
یعنی خیال سر میں ہے نعت رسول کا
رہ پیروی میں اس کی کہ گام نخست میں
ظاہر اثر ہے مقصد دل کے وصول کا
وہ مقتدائے خلق جہاں اب نہیں ہوا
پہلے ہی تھا امام نفوس و عقول کا
سرمد کیا ہے وضع پے چشم اہل قدس
احمد کی رہ گزار کی خاک اور دھول کا
ہے متحد نبی و علی و وحی کی ذات
یاں حرف معتبر نہیں ہر بوالفضل کا

دھونہ ہزار پانی سے سو بار پڑھ درود
تب نام لے تو اس چمنستان کے پھول کا

حاصل ہے میر دوستی اہل بیت اگر
تو غم ہے کیا نجات کے اپنی حصول کا



نعت سرور کائنات ﷺ

جرم کی ہو شرم گیتی یا رسول
اور خاطر کی حزین یا رسول
کھینچوں ہوں نقصان دینی یا رسول
تیری رحمت ہے یقینی یا رسول
رحمتہ للعالمینی یا رسول ہم شفیع المذنبینی یا رسول
لطف تیرا عام ہے کر رحمت
ہے کرم سے تیرے چشم مکرمت
مجرم عاجز ہوں کر تک تقویت
تو ہے صاحب تجھ سے ہے یہ مسئلت
رحمتہ للعالمینی یا رسول ہم شفیع المذنبینی یا رسول
کیا سیہ کاری نے منہ کالا کیا
بات کرنے کا نہیں کچھ منہ رہا
رحم کر خاک مذلت سے اٹھا
میرے عفو جرم کی تخصیص کیا
رحمتہ للعالمینی یا رسول ہم شفیع المذنبینی یا رسول

اب ٹھہرتا تک نہیں پائے ثبات
دست گیری کر کہ پاؤں میں نجات
جرم کیا ہیں میری کتنی مشکلات
ہے کفایت ایک تیری التفات

رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

ابر زیر سایہ لطف عظیم
خلق سب وابستہ خلق عظیم
تجھ سے جو پائے کرم عاصم ائیم
سخت حاجت مند ہیں ہم تو کریم

رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

نیک و بد تیرے ثنا خوان ہم
لطف تیرا آرزو بخش ام
ملفت ہو تو تو کا ہے کا ہے غم
تو رحیم اور مستحق رحم ہم

رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

روؤں ہوں شرم گنہ سے زار زار
بے عنایت کچھ نہیں اسلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آ کر اضطراب
زیر لب کہتا ہوں یہ میں بار بار

رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

بزر برپا ہوگا جب تیرا نشان
آفتاب حشر میں بہر اماں
ہوئے لی انواع خلقت جمع واں
کیوں نہ ہوسائے میں اس کے دو جہاں

رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

روسیاں جرم سے ہے لیش تر
رو سفیدوں میں جل مجھ کو نہ کر
ایک کیا آنکھیں ہیں میری بھی ادھر
تجھ سے راجی بے بھر اہل نظر

رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں
کہ قرآن خواں تو میر تھے کہ سمجھ خواں
وقت یکساں تو نہیں اے دوستاں
اب یہی ہے ہر زماں ورد زباں

رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

منقبت

جو معتقد نہیں ہے علی کے کمال کا
ہر بال اُس کے تن پہ ہے موجب وبال کا

رکھنا قدم پہ اُس کے قدم کب ملک سے ہو

مخلوق آدمی نہ ہوا ایسی چال کا

توڑا بتوں کو دوشِ نبی پر قدم کو رکھ

چھوڑا نہ نام کعبہ میں کفر و ضلال کا

راہِ خدا میں اُن نے دیا اپنے بھی تئیں

یہ جود منہ تو دیکھو کسو آشتال کا

نسبت نہ بندگی کی ہوئی جس کی وہاں درست

رونا مجھے ہے حشر میں اُس کی ہی چال کا

فکرِ نجات میر کو کیا مدحِ خوان ہے وہ

اولاد کا علی کی محمد کی آل کا

□□□

منقبت

بادی علی، رفیق علی، رہ نما علی

یاد علی، محمد علی، آشنا علی

مرشد علی، کفیل علی، پیشوا علی

مقصد علی، مراد علی، مدعا علی

جو کچھ کہو سوائے توہاں مرتضیٰ علی

نورِ یقین علی سے ہمیں اقتباس ہے

ایمان کی علی کی واہ پر اساس ہے

یوم التناد میں بھی علی ہی کی آس ہے

بے گاہ و گاہ نادِ علی اپنے پاس ہے

قبلہ علی، امام علی، مقتدا علی

نہ شہ سے کچھ غرض ہے ہمیں نے وزیر سے

نہ اعتقادِ شیخ سے نے کچھ فقیر سے

کہتے نہیں ہیں کامِ صغیر و کبیر سے

ہے لاگ اپنے جی کو اسی اک امیر سے

مولا علی، وکیل علی، پادشا علی

ہر فرد کی زباں پر علیؑ کی ہے گفت گو
ہر شخص کے تئیں ہے علیؑ ہی کی جستجو
عالم کو ہے علیؑ کی تولا سے آرزو
اپنا ہی کچھ علیؑ کی طرف کو نہیں سے رو

مقصود خلق و مطلب ارض و سما علیؑ

اک شوق ہے علیؑ کا مرے قلب میں نہاں
شاید یہی نجات کا باعث بھی ہو وہاں
اب زیر لب ہے زیست میں جو میر ہر زباں
اس وقت میں کہ جان ہو یکدم کی میہماں

امید ہے کہ یوں ہی لبوں پر ہو یا علیؑ

□□□

مرثیہ

بھائیؑ بھتیجےؑ خویش و پسر یاور اور یار
جاویں گے مارے آنکھوں کے آگے سب ایک بار
ناچار اپنے مرنے کا ہوگا امیدوار
ہے آج رات اور یہ مہمان روزگار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

شیوہ اگرچہ اپنا نہ یہ وعظ و پند ہے
پر اس گوسن رکھ اے کہ تو کچھ درد مند ہے
کیا ہے جو عرصہ تنگ ہوا کام بند ہے
دل جمع کر کہ ہمت مولیٰ بلند ہے

یعنی کرم شعار ہے مشکل کشا علیؑ

اپنی بساط تو ہے علیؑ ہے وہی علیم
کس طور جیتے رہتے نہ ہوتا جو وہ کریم
دیکھیں ہیں اس کی اور جو ہم ہوتے ہیں سقیم
یاں کا وہی ہے شافی و کافی وہی حکیم

عارض ہو کوئی درد ہمیں ہے دوا علیؑ

خواہش مدد کی غیر سے ہے یہ خیال خام
کرتا ہے کب قبول اسے عاقل تمام
کافی ہے دو جہان میں مولیٰ کا میرے نام
لا ریب اس پہ آتش دوزخ ہوئی حرام

یک بار بھی زبان سے جن نے کہا علیؑ

دی تیغ ایسی کس کو کہ جیسی ہو ذوالفقار
مرکب کہاں ہے اس کے سے ویسے کہاں سوار
گزرے ہیں گرچہ مردم خوب آگے بھی ہزار
پر یہ شرف خدا کی طرف سے ہے یہ وقار

خلقت تو دیکھ کعبے میں پیدا ہوا علیؑ

یک دم کو تیری ہستی میں ہو جائے گا غضب
سادات مارے جائیں گے دریا پہ تشنہ لب
برسوں فلک کے رونے کا پھر ہے یہی سبب
مت آ' عدم سے عالم ہستی میں زینہار

فردا حسین می شود از دہر ناامید

اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

ماریں گے تیر شام کے نامرد سارے لوگ
دیویں گے ساتھ اس کا جنہوں نے لیا ہے جوگ
تا حشر خلق پہنے رہیں گے لباس سوگ
ہوگا جہاں جوان سیہ پوش سوگوار

فردا حسین می شود از دہر ناامید

اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

اکبر مرے گا جان سے قاسم بھی جائے گا
عباس دل جہان سے اپنا اٹھائے گا
اصغر بغل میں باپ کی اک تیر کھائے گا
شائستہ ایسے تیر کا وہ طفل شیر خوار

فردا حسین می شود از دہر ناامید

اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

اے کاش کوئی روز شب تیغ اب رہے
تا اور بھی جہاں میں وہ عالی نسب رہے

لیکن عزیز جس کے مرے سب وہ کب رہے
بے چارہ سینہ خستہ بے یار و بے دیار

فردا حسین می شود از دہر ناامید

اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

ذات مقدس ابن علی کی ہے مقتنم

اک دم میں اس کے ہوویں الہی ہزار دم

کیا شب رہے تو ہووے ہے ایام ہی میں کم

آتا ہے کون عالم خاکی میں بار بار

فردا حسین می شود از دہر ناامید

اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

کاکل میں تیرے فتنے ہیں ہر اک شکن کے ساتھ

ہنگامہ لگ رہا ہے ترے دم زدن کے ساتھ

رہ کوئی دن عدم ہی میں رنج و مجن کے ساتھ

یہ بات دونوں صممع میں رکھتی ہیں اشتہار

فردا حسین می شود از دہر ناامید

اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

جلوے میں تیرے سینکڑوں جلووں کی ہے فنا

یعنی سحر پر آنا قیامت کا ہے رہا

دن ہو گیا کہ سبط نبی مرنے کو چلا

ساتھ اپنے دے چکا ہے تلف ہونے کا قرار

جس دم خط شعائی ہوئے رونق زمیں
انگار ہو کے نیزہ خطی سے وہ حسین
ہوویں گے جمع پیادے سوار آن کر وہیں
ہو گا جدا وہ گھوڑے سے مجروح بے شمار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

لوہو جہیں کے زخم سے جاوے گا کر کے جوش
خرق مبارک اس کے میں مطلق نہ ہوگا ہوش
جبدے میں ہو رہے گا جھکا سر کے وہ خموش
آنے کا اپنے آپ میں کھینچے گا انتظار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

خورشید کی بلند نہ ہو تیغ خوں فشاں
ہے درمیاں نبی کے نواسے کا پائے جاں
ایسا اگر ہوا تو قیامت ہوئی عیاں
وہ حلق تشنہ ہو گا تہ تیغ آب دار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

روشن ہوا جو روز تو اندھیر ہے ندان
میدان میں صاف ہو کے کھڑا دے چکے گا جاں

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید
آب فرات پر تو شب دن نہ ہو کبھی
خوں ریز ورنہ ہونے لگے گا بہم ابھی
سید تپ کے پیاس سے مرجائیں گے سبھی
ہینگہم خدا ہی کا پروردہ کنار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

دن شب کو کس امید کے اوپر کرے بھلا
جو جانتا ہو یہ کہ ستم ہو گا بر ملا
نکلے گی تیغ جوڑ کٹے گا مرا گلا
اے وائے دل میں اپنے لیے حسرتیں ہزار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

ایسا نہ ہو کہیں کہ نکل آوے آفتاب
وہ جو غیور مرنے میں اپنے کرے شتاب
دے بیٹھے سر کو معرکے میں کھا کے پیچ و تاب
ترخوں میں دونوں کیسو ہوں سر پر پڑے غبار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

فردا حسین می شود از دہر ناامید
 اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید
 پیکر میں ایک کشتہ کے ہوگی نہ نیم جان
 خیل و حشم کا اس کے نہ پاویں گے کچھ نشان
 شوکت کہاں سر اس کا کہاں جاہ وہ کہاں
 یہ جائے اعتبار ہے کیا یاں کا اعتبار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
 اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید
 صاحب موئے اسیر ہوئے شام جائیں گے
 سو کر جھکائے شرم سے ہر گام جائیں گے
 ناچار رنج کھینچتے ناکام جائیں گے
 لطف خدائے عز و جل کے امیدوار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
 اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید
 لازم ہے خوں چکاں روش گفتگو سے شرم
 کر اس نمود کرنے کی ٹک آرزو سے شرم
 تجھ کو مگر نہیں ہے محمدؐ کے رو سے شرم
 بے خانمان و بے دل و بے خویش و بے تبار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
 اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

ناموس کی پھر اس کے نہ عزت ہے کچھ نہ شاں
 اک شش جہت سے ہوگی بلا آن کر دوچار
 فردا حسین می شود از دہر ناامید
 اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید
 پھر بعد قتل اس کے غضب ایک ہے یہ اور
 نہ بختی چرخ راہ چلے گا انہوں کے طور
 شیوہ جفا شعار ستم طرز جن کی جور
 غابہ کے دست بستہ میں دی جائے گی مہار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
 اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید
 مردان اہل بیت جو ہوں گے مرے گے سب
 اس کے اناٹ بیت کو غارت کریں گے سب
 ناموس کے جو لوگ ہیں سودکھ سہیں گے سب
 ان قیدیوں کے لوہو میں ہووے گی رہ گزار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
 اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید
 خورشید ساسر اس کا سناں پر چڑھائیں گے
 عالم میں دن وہی ہے سیہ کر دکھائیں گے
 بیٹے تین سوار پیادہ چلائیں گے
 ہوگا عنان دل پہ نہ کچھ اس کا اختیار

اس عہد میں الہی محبت کو کیا ہوا
چھوڑا وفا کو اُن نے مروت کو کیا ہوا

اُمیدوار وعدہ دیدار مر چلے
آتے ہی آتے یار و قیامت کو کیا ہوا

کب تک تعظم آہ بھلا مرگ کے تئیں
کچھ پیش آیا واقعہ رحمت کو کیا ہوا

اس کے گئے پر ایسی گئی دل سے ہم نشیں
معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا

بخشش نے مجھ کو ابر کرم کی کیا نخل
اے چشم جوش اشکِ ندامت کو کیا ہوا

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتہء ستم تری غیرت کو کیا ہوا
تھی صعب عاشقی کی بدایت ہی میر پر
کیا جانے کہ حالِ نہایت کو کیا ہوا

□□□

الہی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوانے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

راہِ رضا میں عاقبت کار سر گیا
ایسی گھڑی چلا کہ مدینے نہ پھر گیا
جوں آفتابِ جانبِ شام آ کے گھر گیا
خاطر شکستہ غم زدہ آزرده دل نگار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

آثار دکھ کے ہیں در و دیوار سے عیاں
چھایا ہے غم زمیں سے لے تا بہ آسماں
کچھ میر ہی کے چہرے پہ آنسو نہیں رواں
آیا ہے ابرِ شام سے روتا ہے زار زار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

□□□

کام ہوئے ہیں سارے ضائع ہر ساعت کی سماعت سے
استغنا کی چوگنی اُن نے جوں جوں میں ابرام کیا
ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی
سحر کیا، اعجاز کیا، جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا
میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قتقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

□□□

چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا
جمال یار نے منہ اس کا خوب لال کیا
فلک نے آہ تری رہ ہیں ہم کو پیدا کر
برنگ سبزہ نورستہ پائمال کیا
رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں کچھ باقی
سو اُس کی تیغ نے جھگڑا ہی انفصال کیا
مری اب آنکھیں نہیں کھلتیں ضعف سے ہمد
نہ کہہ کہہ نیند میں ہے تو یہ کیا خیال کیا
بہارِ رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو
چمن کو یمنِ قدم نے ترے نہال کیا
جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہے وہ زلف
کسو نے حشر کو ہم سے اگر حوال کیا

حرف نہیں جاں بخشی میں اس کی خوبی اپنی قسمت کی
ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا، سو مرنے کا پیغام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا
سارے رندا و باش جہاں کے تجھ سے بخود میں رہتے ہیں
بانگے ٹڑھے ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا
سرزدہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اُس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا
کس کا کعبہ، کیسا قبلہ، کون حرم ہے، کیا احرام
کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کو ہمیں سے سلام کیا
شیخ جو ہے مسجد میں ننگا، رات کو تھا میخانے میں
جُبہ، خرقہ، کرتا، ٹوپی، مستی میں انعام کیا
کاش اب برقع منہ سے اٹھاوے ورنہ پھر کیا حاصل ہے
آنکھ مندے پر ان نے گو دیدار کو اپنے عام کیا
یاں کے سپید دسیہ میں ہم کو دخل جو ہے سواتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا، یادِ دن کو جوں توں شام کیا
صبح چمن میں اس کو کہیں تکلیف ہوا لے آئی تھی
رُخ سے گل کو مول لیا، قامت سے سرو غلام کیا
ساعِدِ سیمیں دونوں اُس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیے
بھولے اُس کے قول و قسم پر ہائے خیال خام کیا

لگا نہ دل کو کہیں کیا سنا نہیں تو نے
جو چھ کہ میر کا اس عاشقی نے حال کیا

□□□

دیکھے گا جو تجھ رو کو سو حیران رہے گا
وابستہ ترے مو کا پریشان رہے گا
وعدہ تو کیا اس سے دم صبح کا لیکن
اس دم تیں مجھ میں بھی گزر جان رہے گا
منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا
پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا
چھوٹوں کہیں ایذا سے لگا ایک ہی جلاو
تا حشر مرے سر پہ یہ احسان رہے گا
چمے رہیں گے دشت محبت میں سر و تیغ
مخسرتیں خالی نہ یہ میدان رہے گا
جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا
دل دینے کی ایسی حرکت اُن نے نہیں کی
جب تک جیے گا میر پشیمان رہے گا

□□□

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
کل اُس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
شرمندہ ترے رخ سے ہے رخسار پری کا
چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اس آشفٹہ سری کا
ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا
نصاف طلب ہے تری بیداد گری کا
اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو
آئینہ کو لپکا ہے پریشاں نظری کا
مد موسم گل ہم کو تہ بال ہی گزرے
قدور نہ دیکھا کبھو بے بال و پری کا
اس رنگ سے چمکے ہے پلک پر کہ کہے تو
نکلا بڑا اشک عقیق جگری کا
غل سیر کا ہم نے سمندر کو بھی جا کر
نا دست نگر پنجہ مرگاں کی تری کا
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

نک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

□□□

منہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا
حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

بحر کم ظرف ہے بسانِ حباب
کاسہ لیں اب ہوا ہے تو جس کا

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغِ مفلس کا

تھے برے منچوں کے تیور لیک
شیخ میخانہ سے بھلا کھلا

داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب
ہاتھ دستہ ہوا ہے زنگس کا

بحر کم ظرف ہے بسانِ حباب
کاسہ لیں اب ہوا ہے تو جس کا

فیض اے ابرِ چشم تر سے اٹھا
آج دامن وسیع ہے اس کا

تاب کس کو جو حالِ میر ہے
حال ہی اور کچھ ہے مجلس

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دم کے جانے کا نہایت غم رہا

حسن تھا تیرا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

دل نہ پہنچا گوشہء داماں تلک
قطرہٴ خوں تھا مژہ پر جم رہا

سنتے ہیں لیلیٰ کے خیمہ کو سیاہ
اس میں مجنوں کا ولے ماتم رہا

جامہء اِرام زاہد پر نہ جا
تھا حرم میں لیک نامحرم رہا

زلفیں کھولے تو تو نک آیا نظر
عمر بھریاں کام دل برہم رہا

اس کے لب سے تلخ ہم سنتے رہے
اپنے حق میں آبِ حیواں سم رہا

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدت تک وہ کاغذِ نم رہا

صبح پیری شام ہونے آئی میر
تو نہ جیتا یاں بہت دن کم رہا

□□□

سحر گہ عید میں دور سیو تھا
پر اپنے جام میں تجھ دن لہو تھا

غلط تھا آپ سے غافل گزرتا
نہ سمجھے ہم کو اس قالب میں تو تھا
گل و آئینہ کیا خورشید ور کیا
جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رُو تھا

کرو گے یاد باتیں تو کہو گے
کہ کوئی رفتہ بسیار گو تھا
جہاں پُر ہے فسانے سے ہمارے
دماغ عشق ہم کو بھی کبھو تھا

نہ دیکھا میر آوارہ کو لیکن
غبار اک ناتواں سا کو کبھو تھا

□□□

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
قافلے میں صبح سے اک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمین
ختم خواہش دل میں تُو بوتا ہے کیا
یہ نشانِ عشق ہیں جاتے نہیں
داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا

غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز
میر اس کو رائیگاں کھوتا ہے کیا

□□□

بکیسا نہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا
ایک دل غمخوار رکھتے تھے سو گلشن میں رہا
پنچہ گل کی طرح دیوانگی میں ہاتھ کو
گر نکالا میں گریباں سے تو دامن میں رہا

شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یار سے
رشتہ الفت تمامی عمر گردن میں رہا
ڈر سے اس شمشیر زن کے جوہر آئینہ ساں
سر سے لیکر پاؤں تک میں غرق آئین میں رہا

ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیر و حرم کی راہ چل
اب یہ دعویٰ شریکِ شیخِ درہمن میں رہا
در پئے دل ہی رہے اس چہرہ کے خال سیاہ
ڈر ہمیں ان چوٹوں کا تو روز روشن میں رہا

آہ کس انداز سے گزرا بیاباں سے کہ میر
جی ہراک فنجیر کا اُس صیدِ افکن میں رہا

□□□

ہمارے آگے ترا جب کو نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

قسم جو کھائیے تو طالع زلیخا کی
عزیز مصر کا بھی صاحب اک غلام لیا
خراب رہتے تھے مسجد کے آگے مینانے
نگاہ مست نے ساقی کی انتقام لیا
وہ کج روش نہ ملا راستے میں مجھ سے کبھی
نہ سیدھی طرح سے اُن نے مرا سلام لیا
مزا دکھا دیں گے بے رحمی کا تری صیاد
گر اضطرابِ اسیری نے زیرِ دام لیا
مرے سلیقے سے میری بھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا
اگرچہ گوشہ گزین ہوں میں شاعروں میں میر
پہ میرے شور نے روئے زمیں تمام لیا

□□□

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اُس خنجر کا
جس کے ہر کلزے میں ہو پیوست پیکار تیر کا
سب کھلا باغِ جہاں لا یہ حیران و خفا
جس کو دل سمجھے تھے ہم سو غنچہ تھا تصویر کا
بوئے خوں سے جی رکا جاتا ہے اے بادِ بہار
ہو گیا ہے چاکِ دل شاید کسو دلگیر کا

کیونکہ نقاشِ ازل نے نقشِ ابرو کا کیا
کام ہے اک تیرے منہ پر کھینچنا شمشیر کا
رہ گزر سیلِ حوادث کا ہے بے بنیاد دہر
اس خرابے میں نہ کرنا قصد تم تعمیر کا
بس طیب اٹھ جا میری بالیں سے مت دے دروسر
کام جاں آخر ہوا اب فائدہ تدبیر کا
نالہ کش ہیں عہدِ پیری میں بھی تیرے در پہ ہم
قد خم گشتہ ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا
جو ترے کوچہ میں آیا پھر وہیں گاڑا اسے
تشنہء خوں میں تو ہوں اس خاکِ دامگیر کا
خون سے میرے ہوئی یکدم خوشی تم کو تو لیک
مفت میں جاتا رہا جی ایک بے تقصیر کا
نحتِ دل سے جوں چھڑی پھولوں کی گوندھی ہے ولے
فائدہ کچھ اے جگر اس آہ بے تاثیر کا
گورِ مجنوں سے نجاویں گے کہیں ہم بے نوا
عیب ہے ہم میں جو چھوڑیں ڈھیر اپنے پیر کا
کس طرح سے مانے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے نک چہرہ تو دیکھو میر کا

□□□

کئی دن سلوک دواغ کا مرے در پئے دل زار تھا
 کبھو درد تھا، کبھو داغ تھا، کبھو زخم تھا، کبھو دار تھا
 دم صبح بزم خوش جہاں شب غم سے کم نہ تھے مہرباں
 کہ چراغ تھا سو تو دور تھا، جو پتنگ تھا سو غبار تھا
 دل خستہ جو لہو ہو گیا، تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک
 کبھو سوزید نہ سے داغ تھا، کبھو درد غم سے فگار تھا
 دل مضطرب سے گزر گئے شب وصل اپنی ہی فکر میں
 نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا، نہ شکیب تھا نہ قرار تھا
 جو نگاہ کی بھی پلک اٹھا، تو ہمارے دل سے لہو بہا
 کہ وہیں وہ نازک بے خطا، کسو کے کلیجے کے پار تھا
 یہ تہاری ان دنوں دوستاں مژدہ جس کے غم میں ہے خوں چکاں
 وہی آفت دل عاشقاں، کسو وقت ہم سے بھی یار تھا
 نہیں تازہ دل کی شکستگی، یہی درد تھا یہی حسرتگی
 اُسے جب سے ذوق شکار تھا اُسے زخم سے سروکار تھا
 کبھو جائے گی جو ادھر صبا، تو یہ کہو اُس سے کہ بیوفا
 مگر ایک میر شکستہ پا ترے باغ تازہ میں خار تھا

□□□

مہر کی تجھ سے توقع تھی سنگر نکلا
 موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

داغ ہوں رشکِ محبت سے کہ اتنا بے تاب
 کس کی تسکین کے لئے گھر سے تو باہر نکلا
 جیتے جی آہ ترے کوچے سے کوئی نہ پھرا
 جو ستم دیدہ رہا جا کے سو مر کر نکلا
 دل کی بربادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ
 جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا
 اشک تر، قطرہ خوں، لخت جگر، پارہ دل
 ایک سے ایک عدو آنکھ سے بہہ کر نکلا
 کنج کاوی جو کی سینے کی غم ہجراں نے
 اس دینے میں سے اقسام جواہر نکلا
 ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر
 پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

□□□

گرمی سے میں تو آتشِ غم کی کچھل گیا
 راتوں کو روتے روتے ہی جوں شمع گل گیا
 ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
 تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا
 گرمی عشق مانع نشوونما ہوئی
 میں وہ نہال تھا کہ اگا اور خیل گیا

مستی میں چھوڑ دیر کو کعبہ چلا تھا میں
لغزش بڑی ہوئی تھی لیکن سنبھل گیا
ساقی نشے میں تجھ سے لٹکھا شیشہ شراب
چل اب کہ دخت تاک کا جو بن تو ڈھل گیا
ہر ذرہ خاک تیری گلی کی ہے بے قرار
یاں کون سا ستم زدہ مائی میں رل گیا
عریاں تنی کی شوخی سے دیوانگی میں میر
مجنوں کے دشت خار کا داماں بھی چل گیا

□□□

تا بمقدور انتظار کیا دل نے پھر زور بے قرار کیا
ہم فقیروں سے بے ادائیگی کی آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا
دشمنی ہم سے کی زمانے نے کہ جفا کار تجھ سا یار کیا
یہ تو ہم کا کارخانہ ہے یاں وہی ہے جو اعتبار کیا
ایک ناوک نے اسکی مڑگاں کے طائر سدرہ تک شکار کیا
صدرگ جاں کو تاب دے باہم تیری زلفوں کا ایک تار کیا
سخت کافر تھا جن نے پہلے میر
مدہب عشق اختیار کیا

□□□

آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا
اس باد نے ہمیں تو دیا سا بجھا دیا

کبھی نہ باد صبح کہ آ کر اٹھا دیا
اس فتنہ زمانہ کو ناحق جگا دیا
پوشیدہ راز عشق چلا جائے تھا سو آج
بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اٹھا دیا
اس موج خیز دہر میں ہم کو قضا نے آہ
پانی کے بلبلے کی طرح سے مٹا دیا
تھی لاگ اُس کی تیغ کو ہم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا
سب شور مادمین کو لیے سر میں مر گئے
یاروں کو اس فسانے نے آخر سلا دیا
آوارگان عشق کا پوچھا جو میں نشان
مشت غبار لے کے صبا نے اڑا دیا
اجزا بدن کے جتنے تھے پانی ہو بہ گئے
آخر گداز عشق نے ہم کو بہا دیا
کیا کچھ نہ تھا ازل میں نہ طالع جو تھے درست
ہم کو دل شکستہ قضا نے دلا دیا
گویا محاسبہ مجھے دینا تھا عشق کا
اس طور دل سی چیز کو میں نے لگا دیا
مدت رہے گی یاد ترے چہرے کی جھلک
جلوے کو جس نے ماہ کے جی سے بھلا دیا

ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی زیاں
دل جو دیا تھا سو تو دیا سر جدا دیا
بُوئے کباب سوختہ آئی دماغ میں
شاید جگر بھی آتش غم نے جلا دیا
تکلیف درد دل کی عبث ہم نشیں نے لی
دردِ سخن نے میرے سبھوں کو رلا دیا
اُن نے تو تیغ کھینچی تھی پر جی چلا کے میر
ہم نے بھی ایک دم میں تماشا دکھا دیا

□□□

وہ جو پی کر شراب نکلے گا کس طرح آفتاب نکلے گا
مختب میکدہ سے جاتا نہیں یاں سے ہو کر خراب نکلے گا
یہی چپ ہے تو درد دل کہتے منہ سے کیونکر جواب نکلے گا
جب اٹھے گا جہان سے یہ نقاب تب ہی اس کا حجاب نکلے گا
عرق اس کا بھی مونہہ کا بو کچھ گر کھو یہ گلاب نکلے گا
آؤ بالیں تک نہ ہو کے دیر جی ہمارا شتاب نکلے گا
دفتر داغ ہے جگر اس میں کسو دن یہ حساب نکلے گا
تذکرے سب کے پھر رہیں گے دھرے جب مرا انتخاب نکلے گا

میر دیکھو گے رنگِ زرکس کا

اب جو وہ مست خواب نکلے گا

□□□

تجائیل تغافل تامل کیا
ہوا کام مشکل توکل کیا
نہیں تاب لاتا دل زار اب
بہت ہم نے صبر و تحمل کیا
زمین غزل ملک سی ہو گئی
یہ قطعہ تصرف میں بالکل کیا
جنوں تھا نہ بکسو نہ چپ رہ سکا
کہ زنجیر ٹوٹی تو میں غل کیا
نہ سوز دروں فصل گل میں چھپا
سرو سینہ سے داغ نے گل کیا
ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا
غلاموں سے اُس کے توسل کیا
حقیقت نہ میر اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

□□□

سینہ کو بی ہے طیش سے غم ہوا
دل کے جانے کا بڑا ماتم ہوا

آنکھیں دوڑیں خلق جا اودھر گری
اٹھ گیا پردہ کہاں اودھم ہوا
کیا لکھوں رویا جو لکھتے جوں قلم
سب مرے نامے کا کاغذ نم ہوا
ہم جو اس بن خوار ہیں حد سے زیاد
یاریاں تک آن کر کیا کم ہوا
آ گیا یوں ہی خراماں وہ تو پھر
حشر کا ہنگامہ ہی برہم ہوا
درہمی سے برہمی سے دیکھ لو
دونوں عالم کا عجب عالم ہوا
جسمِ خاکی کا جہاں پردہ اٹھا
ہم ہوئے وہ میر وہ سب ہم ہوا

□□□

دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ یہ دل ہے کیا
ایسے ناداں دربا کے ملنے کا حاصل ہے کیا
جاننا باطل کسو کو یہ قصور فہم ہے
حق اگر سمجھے تو سب کچھ حق ہے یا باطل ہے کیا
مرثیہ میرے بھی دل کا رقت آور ہے بلا
مختشم کو میر میں کیا جانوں اور مقبل ہے کیا

□□□

ہو بلبل گلگشت کہ اک دن ہے خزاں کا
اڑتا ہے ابھی رنگ گل باغ جہاں کا
ہے مجھ کو یقین تجھ میں وفا ایسی جفا پر
گر چاک برابر ہوئے اس میرے گماں کا
سینے میں مرے آگ لگی میرے رخسار سے
جوں شمع جلایا ہوا ہوں اپنی زباں کا
آرام عدم میں نہ تھا ہستی میں نہیں چین
معلوم نہیں میر ارادہ ہے کہاں کا

□□□

کیا پوچھو ہو کیا کہتے میاں دل نے بھی کیا کام کیا
عشق کیا ناکام رہا آخر کو کام تمام کیا
عجز کیا سو اس مفسد نے قدر ہماری یہ کچھ کی
تیوری چڑھائی غصہ کیا جب ہم نے جھک کے سلام کیا
کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
آخر دل کی بیتابی سے خط بھیجا پیغام کیا
عشق کی تہمت جب نہ ہوئی تھی کاہیکو ایسی شہرت تھی
شہر میں اب رسوا ہیں یعنی بدنامی سے کام کیا

ریگستاں میں جا کے رہیں یا سنگستاں میں ہم جوگی
رات ہوئی جس جاگہ ہم کو ہم نے وہیں بسرام کیا
خط و کتابت لکھتا اُس کو ترک کیا تھا اس لیے
حسرت سے بچا لو ہو اب جو کچھ ارقام کیا
اس کا تو شہد و شکر ہے ذوق میں ہم ناکاموں کے
لوگوں میں لیکن پوچھ کہا یہ لطف بے ہنگام کیا
میر جو ان نے منہ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی
لطف کیا احسان کیا انعام کیا اکرام کیا

□□□

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا
عشق کیا سو دین گیا ایمان گیا اسلام گیا
دل نے ایسا کام کیا جس سے میں ناکام گیا
کس کس اپنی کل کو رووے جہراں میں بیکل اسکا
خواب گئی ہے تاب گئی ہے یچین گیا آرام گیا
آیا یاں سے جانا ہے توجی کا چھپانا کیا حاصل
آج گیا یا کل جاوے گا صبح گیا یا شام گیا
ہائے جوانی کیا کیا کہئے شور سروس میں رکھتے تھے
اب کیا ہے وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا

گالی جھڑکی خشم و خشونت یہ تو سر دست اکثر ہیں
لطف گیا احسان گیا انعام گیا اکرام گیا
لکھنا کہنا ترک ہوا تھا آپس میں تو مدت سے
اب جو قرار کیا ہے دل سے خط بھی گیا پیغام گیا
نالہ میر اسوا میں ہم تک دو شیں شب سے نہیں آیا
شاید شہر سے ظالم کے عاشق وہ بدنام گیا

□□□

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمایہ کاہے کو سوتا رہے گا
میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے اب ہر سال روتا رہے گا
مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا
بس اے گریہ آنکھیں ترے کیا نہیں ہیں
کہاں تک جہاں کو ڈبوتا رہے گا
مرے دل نے وہ نالہ بیا کیا ہے
جس کے بھی جو ہوش کھوتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

بس اے میر مرگاں سے پونچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

□□□

بار بار گور دل جھکا لایا اب کے شرط وفا بجا لایا
قدر رکھتی نہ تھی متاع دل سارے عالم میں دکھا لایا
دل کدک قطرہ خوں نہیں ہے پیش ایک عالم کے سر بلا لایا
سب پہ جس یار نے گرانی کی اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا
دل مجھے اس گلی میں لیجا کر اور بھی خاک میں ملا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

□□□

ہر دم طرف ہے ویسے مزاج کرخت کا
کلزا مرا جگر ہے کہو سنگ سخت کا
سبزان تازہ رو کی جہاں جلوہ گاہ تھی
اب دیکھئے تو واں نہیں سایہ درخت کا
جوں برگ ہائے لالہ پریشان ہو گیا
مذکور کیا ہے اب جگر لخت لخت کا

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں تاج و تخت کا
خاک سیہ سے میں جو برابر ہوا ہوں میر
سایہ پڑا ہے مجھ پر کسو تیرہ بخت کا

□□□

ہم عشق میں نہ جانا غم ہی سدا رہے گا
دس جون جو ہے یہ مہلت سو یاں دہا رہے گا
برقع اٹھے پہ اس کے ہو گا جہان روشن
خورشید کا نکلتا کیونکر چھپا رہے گا
اک وہم سی رہی ہے اپنی نمود تن میں
آتے ہو اب تو آؤ پھر ہم میں کیا رہے گا
مذکور یار ہم سے مت ہم نشیں کیا کر
دل جو بجا نہیں ہے پھر اس میں جا رہے گا
دل ہی کے غم میں گزری اپنی تو عمر ساری
بیار عاشقی یہ کس دن بھلا رہے گا
اس گل بغیر جیسے ابر بہار عاشق
نالاں جدا رہے گا روتا جدا رہے گا
دانستہ ہے تغافل غم کہنا اس سے حاصل
تم درد دل کہو گے وہ سر جھکا رہے گا

اب جھمکی اُس کی تم نے دیکھی کبھو جو یار
پرسوں تلک اسی میں پھر دل سدا رہے گا

□□□

بھلا ہوگا کچھ اک احوال اس سے یا برا ہوگا
مآل اپنا ترے غم میں خدا جانے کہ کیا ہوگا
تقص فائدہ ناصح تدارک تجھ سے کیا ہوگا
وہی پاوے گا میرا درد دل جس کا لگا ہوگا
کسو کو شوق یارب بیش اس سے اور کیا ہوگا
قلم ہاتھ آگئی ہوگی تو سو سو خط لکھا ہوگا

دکانیں حسن کی آگے ترے تختہ ہوئی ہوں گی
جو تو بازار میں ہوگا تو یوسف کب بکا ہوگا
معیشت ہم فقیروں کی سی اخوانِ زماں سے کر
کوئی گالی بھی دے تو کہہ بھلا بھائی بھلا ہوگا

خیال اس بیوفا کا ہمنشین اتنا نہیں اچھا
گماں رکھتے تھے ہم بھی یہ کہ ہم سے آشنا ہوگا
قیامت کر کے اب تعبیر جس کو کرتی ہے خلقت
وہ اس کوچہ میں ایک آشوب سا شاید ہوا ہوگا

عجب کیا ہے ہلاکِ عشق ہیں فرہاد و مجنوں کے
محبت روک ہے کوئی کہ کم اس سے جیا ہوگا

نہ ہو یوں غیرت گلزار وہ کوچہ خدا جانے
لبہ اس خاک پر کن کن عزیزوں کا گرا ہوگا
بہت ہمسائے اس گلشن کے زنجیری رہا ہوں میں
کبھو تم نے بھی میرا شور نالوں کا سنا ہوگا
نہیں جز عرش جاگہ راہ میں لینے کو دم اس کے
تقص سے تن کے مرغِ روح میرا جب رہا ہوگا
کہیں ہیں میر کو مارا گیا شب اُس کے کوچے میں
کہیں وحشت میں شاید بیٹھے بیٹھے اٹھ گیا ہوگا

□□□

یاں نام یار کس کا دردِ زباں نہ پایا
پر مطلقاً کہیں ہم اُس کا نشان نہ پایا
وضع کشیدہ اس کی رکھتی ہے داغِ سب کو
نیوتا کسو سے ہم وہ ابرو کماں نہ پایا

پایا نہ یوں کہ کرے اُس کی طرف اشارت
یوں تو جہاں میں ہم نے اُس کو کہاں نہ پایا
یہ دل کہ خون ہووے برجانہ تھا وگر نہ
وہ کوئی جگہ تھی اس کو جہاں نہ پایا

فتنے کی گرچہ باعثِ آفاق میں وہی تھی
لیکن کمر کو اس کی ہم درمیاں نہ پایا

محروم جہدہ آخر جانا پڑا جہاں
جوشِ جہاد سے ہم وہ آستان نہ
ایسی ہے میر کی بھی مدت سے روئی صورت
چہرے پہ اس کے کس دن آسرواں نہ پایا

□□□

جو یہ دل ہے تو کیا سرانجام ہوگا
تہ خاک بھی خاک آرام ہوگا
مرا جی تو آنکھوں میں آیا یہ سنے
کہ دیدار بھی ایک دن عام ہو
نہ ہوگا وہ دیکھا جسے لیک تو نے
وہ اک باغ کا سرو اندام ہوگا
نہ نکلا کرتا بھی بے پردہ گھر سے
بہت اس میں ظالم تو بدنام ہو
ہزاروں کی یاں لگ گئیں چھت سے آنکھیں
تو اے ماہ کس شب لب بام ہوگا
جگر چاکی ناکامی دنیا ہے آخر
نہیں آئے جو میر کچھ کام ہو

□□□

نہ پوچھ خواب زلیخا نے کیا خیال لیا
کہ کاروان کا کنعاں کے جی نکال لیا
رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بل ہم بھی
شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
رہوں ہوں برسوں سے ہمدوش پر کھوان نے
گلے میں ہاتھ مرا چار سے نہ ڈال لیا
بتاں کی میر ستم وہ نگاہ ہے جس نے
خدا کے واسطے بھی خلق کا وبال نے

□□□

نقاش دیکھ تو میں کیا نقش یار کھینچا
اس شوخ کم نما کا نت انتظار کھینچا
رسم قلم و عشق مت پوچھ کچھ کہ ناحق
ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا
تھا بد شراب ساقی تا کہ رات مے سے
میں نے جو ہاتھ کھینچا اُن نے کنار کھینچا
مستی میں شکل ساری نقاش سے کھینچی پر
آنکھوں کو دیکھ اُس کی آخر خمار کھینچا
جی کھنچ رہے ہیں اودھر عالم کا ہوگا بلوا
گر شانے تو نے اُس کی زلفوں کا تار کھینچا

تھے شب کے کسائے تیغ کشیدہ کف میں
پر میں نے بھی بغل میں بے اختیار کھینچا
پھرتا ہے میر تو جو پھاڑے ہوئے گریباں
کس کس ستم زدے نے دامنِ یار کھینچا

□□□

عمرے نے اس کے چوری میں دل کی ہنر کیا
اُس خانماں خراب نے آنکھوں میں گھر کیا
رنگ اڑ چلا چمن میں گلوں کا تو کیا نیم
ہم کو تو روزگار نے بے بال و پر کیا
نافع جو تھیں مزاج کو اول سو عشق میں
آخر انہیں دواؤں نے ہم کو ضرر کیا
کیا جانوں بزمِ عیش کے ساقی کی چشم دیکھ
میں صحبتِ شراب سے آگے سفر کیا
جس دم کہ تیغِ عشق کھنچی بواہوں کہاں
سن لچو کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا
دل زخمی ہو کے تجھ تئیں پہنچا تو کم نہیں
اس نیم کشتہ نے بھی قیامت جگر کیا
ہے کون آپ میں جو ملے تجھ سے مست ناز
ذوقِ خبر ہی نے تو ہمیں بے خبر کیا

وہ دشتِ خوفناک رہا ہے مرا وطن
سن کر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا
کچھ کم نہیں ہیں شعبہ بازوں سے مے گسار
دارو پلا کے شیخ کو آدم سے خر کیا
چاروں طرف ہیں خیمے کھڑے گردباد کے
کیا جانے جنوں نے ارادہ کدھر کیا
لکنت تری زبان کی ہے سحر جس سے شوخ
اک حرف نیم گفتہ نے دل پر اثر کیا
بے شرم محض ہے وہ گنہگار جن نے میر
ابو کرم کے سامنے دامنِ تر کیا

□□□

ہاتھ سے تیرے اگر میں ناتواں مارا گیا
سب کہیں گے یہ کہ کیا اک نیم جاں مارا گیا
یک نگہ سے بیشِ کچھ نقصان نہ آیا اُس کے تئیں
اور میں بیچارہ تو اے مہرباں مارا گیا
وصل و ہجراں سی جو دو منزل ہیں راہِ عشق کی
دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا
دل نے سر کھینچا دیارِ عشق میں اے بواہوں
وہ سراپا آرزو آخر جواں مارا گیا

کب نیازِ عشقِ نازِ حسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر میر سر بر آستان مارا گیا

□□□

اتک آکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا
ہوش جاتا نہیں رہا لیکن
جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
صبر تھا ایک منوں ہجراں
سو وہ مدت سے اب نہیں آتا
دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش
گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا
عشق کو حوصلہ ہے شرط ورنہ
بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہدم
پر سخن تا بلب نہیں آتا
دور بیٹھا غبارِ میر اس سے
عشق دن یہ ادب نہیں آتا

□□□

دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا
جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا
اگرچہ عمر کے دس دن یہ لب رہے خاموش
خن رہے گا سدا میری کم زبانی کا
سبک ہے آوے جو مندیل رکھ نماز کو شیخ
رہا ہے کون سا اب وقت سرگرائی کا
ہزار جان سے قربان بے پری کے ہیں
خیال بھی کبھو گزرا نہ پرفشانی کا
پھرے ہے کھینچے ہی تلوار مجھ پہ تو ہر دم
کہ صید ہوں میں تری دشمنی جانی کا
نمود کر کے وہیں بحرِ غم میں بیٹھ گیا
کہے تو میر بھی اک بلبل تھا پانی کا

□□□

موا میں سجدہ میں پر نقش میرا یار رہا
اس پہ مری خاک سے غبار رہا
جنوں میں ابکی مجھے اپنے دل کا غم ہے پہ حیف
خبر لی جبکہ نہ جائے میں ایک تار رہا
بشر ہے وہ پہ کھلا جب سے اس کا دام زلف
رہ اس کی فرشتے ہی کا شکار رہا

کبھو نہ آنکھوں میں آیا وہ شوخ خواب کی طرح
 تمام عمر ہمیں اس کا انتظار رہا
 شراب عیش میسر ہوئی جسے اک شب
 پھر اس کو روز قیامت تلک شمار رہا
 بتاں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا
 وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا
 وہ دل کہ شام و سحر جیسے پکا پھوڑا تھا
 وہ دل کہ جس سے ہمیشہ جگر فگار رہا
 تمام عمر گئی اس پہ ہاتھ رکھتے ہمیں
 وہ دردناک علی الرغم بیقرار رہا
 ستم میں غم میں سرانجام اس کا کیا کہئے
 ہزاروں حسرتیں تھیں بس پہ جی کو مار دیا
 بہا تو خون ہو آنکھوں کی راہ پہ نکلا
 رہا جو سینہ سوزاں میں داغ دار رہا
 سو اس کو ہم سے فراموش کار یوں لگے
 کہ اس سے قطرہ خون بھی نہ یادگار رہا
 گلی میں اس کی گیا سو گیا نہ بولا پھر
 میں میر میر کر اُس کو بہت پکار رہا

□□□

دل کے تیں آتش جہراں سے بجایا نہ گیا
 گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا
 دل میں رہ دل میں کہ معمارِ قضا سے اب تک
 ایسا مطبوع مکان کوئی بنایا نہ گیا
 کبھو عاشق کے ترے چہرے سے ناخن کا خراش
 خطِ تقدیر کے مانند مٹایا نہ گیا
 کیا تنگ حوصلہ تھی دیدہ دل اپنی آہ
 ایک دم راز محبت کا چھپایا نہ گیا
 دل جو دیدار کا قاتل کے بہت بھوکا تھا
 اس ستم کشتہ سے اک زخم بھی کھلایا نہ گیا
 میں تو تھا صید زبوں صید گہ عشق کے بیچ
 آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا
 شہر دل آہ عجب جائے تھی پر اس کے گئے
 ایسا اجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

□□□

آگے جمال یار کے معذور ہو گیا
 گل اک چمن میں دیدہ بے نور ہو گیا
 یک چشم منتظر ہے کہ دیکھے ہے کب سے راہ
 جوں زخم تیری دوری میں ناسور ہو گیا

قسمت تو دیکھ شیخ کو جب لہر آئی تب
دروازہ شیرہ خانے کا معمور ہو گیا
پہنچا قریب مرگ کے وہ صید ناقبول
جو تیرے صید گاہ سے ٹک دور ہو گیا
دیکھا یہ ناؤ و نوش کہ نیش فراق سے
سینہ تمام خانہ زنبور ہو گیا
اُس ماہ چارہ کا چھپے عشق کیونکہ آہ
اب تو تمام شہر میں مشہور ہو گیا
شاید کسو کے دل کو لگی اُس گلی میں چوٹ
میری بغل میں شیشہ دل چور ہو گیا
دیکھا جو میں نے یار تو وہ میر ہی نہیں
تیرے غم فراق میں رنجور ہو گیا

□□□

عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
اس جنس کا یاں ہم نے خریدار نہ پایا
غیروں ہی کے ہاتھوں میں رہے دست نگاریں
کب ہم نے ترے ہاتھ سے آزار نہ پایا
حق ڈھونڈنے کا آپ کو آتا نہیں ورنہ
عالم ہے سبھی یار کہاں یار نہ پایا

جاتی ہے نظر جس پہ گہ چشم پریدن
یاں ہم نے پر کاہ بھی بیکار نہ پایا
تصویر کے مانند لگے در ہی سے گزری
جلس میں تری ہم نے کبھو بار نہ پایا
سورخ ہے سینے میں ہر اک شخص کے تجھ سے
کس دل کے ترا تیر نگہ پار نہ پایا
مربوط ہیں تجھ سے بھی یگی ناکس و ناائل
اس باغ میں ہم نے گل بے خار نہ پایا
دم بعد جنوں مجھ میں نہ محسوس تھا یعنی
جامہ میں مرے یاروں نے اک تار نہ پایا
آئینہ بھی حیرت سے محبت کی ہوئے ہم
پر سیر ہو اس شخص کا دیدار نہ پایا
وہ کھینچ کے شمشیر ستم رہ جو گیا میر
خوں ریزی کا یاں کوئی سزاوار نہ پایا

□□□

اس کا خرام دیکھ کے جایا نہ جائے گا
اے کبک پھر بحال بھی آیا نہ جائے گا
ہم کشتگانِ عشق ہیں ابرو و چشم یار
سر سے ہمارے تیغ کا سایا نہ جائے گا

ہم رہروان راہ فنا ہیں برنگِ عمر
جاویں گے ایسے کھونج بھی پایا نہ جائے گا
پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل
تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
اپنے شہیدِ ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر
دیوانِ حشر میں اُسے لایا نہ جائے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
ہم بجنودانِ محفلِ تصویر اب گئے
آئندہ ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا
گو پیستوں کو ٹال دے آگے سے کوہکن
سنگِ گرانِ عشق اٹھایا نہ جائے گا
یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادانِ پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

□□□

بہتوں کو آگے تھا یہی آزارِ عشق کا
جیتا رہا ہے کوئی بھی بیمارِ عشق کا

خواہاں مرگ میں ہی ہوا ہوں مگر نیا
جی بیچنے سے ہی ہے خریدارِ عشق کا

منصور نے جو سر کو کسایا تو کیا ہوا
ہر سر کہیں ہوا ہے سزا وارِ عشق کا
جاتا وہی سنا ہمہ حسرتِ جہان سے
ہوتا ہے جس کسو سے بہت پیارِ عشق کا
پھر بعد میرے آج تلک سر نہیں بکا
اک عمر سے کساد ہے بازارِ عشق کا
لگ جاوے دل کہیں تو اتنی میں اپنے رکھ
رکھتا نہیں شگون کچھ اظہارِ عشق کا
چھوٹا جو مر کے قیدِ عبارات میں پھنسا
القصد کیا رہا ہو گرفتارِ عشق کا
مشکل ہے عمر کاٹی تلوار کے تلے
سر میں خیال گو کہ رکھیں یارِ عشق کا
واں رستموں کے دعویٰ کو دیکھا ہوئے ہیں قطع
پورا جہاں لگا ہے کوئی وارِ عشق کا
کھو ہی رہا نہ جان کو نا آزمودہ کار
ہوتا نہ میر کاش طلبگارِ عشق کا

□□□

دل فرطِ اضطراب سے سیما سا ہوا
چہرہ تمام زرد و زرتاب سا ہوا

شاید جگر گداختہ یک لخت ہو گیا
 کچھ آب دیدہ رات سے خوں تاب سا ہوا
 وے دن گئے کہ اشک سے چھڑکاؤ سا کیا
 اب رونے لگ گئے ہیں تو تالاب سا ہوا
 اک دن کیا تھا یار نے قد ناز سے بلند
 فحلت سے سرو جوئے چمن آب سا ہوا
 کیا اور کوئی روئے کہ اب جوش اشک سے
 حلقہ ہماری چشم کا گرداب سا ہوا
 قصہ تو مختصر تھا ولے طول کو کھنچا
 ایجاز دل کے شوق سے اظتاب سا ہوا
 عمامہ ہے موزن مسجد کہ بار خر
 قد تو ترا خمیدہ ہو محراب سا ہوا
 بات اب تو سن کہ جائے سخن میں ہوئے
 خط پشت لب کا سبزہ محراب سا ہوا
 اب باغ میں بھی سوتے سے اٹھ کر بھوکہ گل
 تک تنک کے راہ دیدہ بے خواب سا ہوا
 سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اُسی گھڑی
 جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا

□□□

گل کو محبوب ہم قیاس کیا
 دل نے ہم کو مثال آئینہ
 یہ نہیں سوچتا ہمیں اُس دن
 عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے
 قیس کی آبرو کا پاس گیا
 دور سے چرخ کے نکل نہ سکے
 ضعف نے ہم کو مور طاس کیا
 صبح تک شمع سر کو دھتی رہی
 کیا پتھلے نے التماس کیا
 ایسے وحشی کہاں ہیں اے خواں
 میر کو تم عبث اداس کیا

□□□

کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو
 ایسا نہ رہ کہ رونے پہ تیرے نبی نہ ہو
 پایا گیا وہ گوہر نایاب سہل کب
 نکلا ہے اُس کو ڈھونڈنے تو پہلے جان کھو
 سختے نہیں کہے جو نہ کہنے تو دم رُکے
 کچھ پوچھے نہ قصہ ہمارا ہے گو گو
 ہے شعر بے دماغی پہ مطلق نہ بولنا
 ہم دیں تمہیں دعا ہمیں تم گالیاں تو دو
 کرنا جگر ضرور ہے دل دادگاں کو بھی
 وہ بولتا نہیں تو تم آپ ہی سے چھیڑ لو

اے غافلان زہر یہ کچھ پرواہ کی ہے بات
چلنے کو قافلے میں یہاں تم رہے ہو سو
گردش میں جو کوئی ہو رکھے اس سے کیا امید
دن رات آپ ہی چرخ میں ہے آسمان تو
جب دیکھتے ہیں پاؤں ہی دایو ہو اس کے میر
کیوں ہوتے ہو ذلیل تم اتنا تو مت دیو

□□□

قیامت تھا سماں اس خشکیوں پر
کہ تلواریں چلیں ابرو کی چیں پر
نہ دیکھا آخر اس آئینہ رو کو
نظر سے بھی نگاہ واپس پر
گئے دن عجز و نالہ کے کہ اب ہے
دماغ نالہ چرخ ہفتہ میں پر
ہوا ہے ہاتھ گلدستہ ہمارا
کہ داغ خوں بہت ہے آستیں پر
خدا جانے کہ کیا خواہش ہے جی کو
نظر اپنی نہیں ہے مہر و کیوں پر
پر افشانی قفس ہی کی بہت ہے
کہ پرواز چن قابل نہیں پر

جگر میں اپنے باقی روتے روتے
اگرچہ کچھ نہیں اے ہمنشین پر
کبھو جو آنکھ سے چلتے ہیں آنسو
تو پھر جاتا ہے پانی سب زمیں پر
قدنم دشت محبت میں نہ رکھ میر
کہ سر جاتا ہے گام اویں پر

□□□

غصے سے اٹھ چلے ہو جو دامن کو جھاڑ کر
جاتے رہیں گے ہم بھی گریبان پھاڑ کر
دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کر
یا رب رہ طلب میں کوئی کب تلک پھرے
تسکین دے کر بیٹھ رہوں پاؤں گاڑ کر
منظور ہو نہ پاس ہمارا تو حیف ہے
آئے ہیں آج دور سے ہم تجھ کو تازہ کر
غالب کہ دیوے قوتِ دل اس ضعیف کو
تنگے کو جو دکھاوے ہے پل میں پہاڑ کر
نکلیں گے کام دل کے کچھ اب اہل ریش سے
کچھ ڈھیر کر چکے ہیں یہ آگے اکھاڑ کر

اس فن کے پہوانوں سے کشتی رہی ہے یہ
بہتوں کو ہم نے زیر کیا ہے پچاز کر

□□□

قصہ گر امتحان ہے پیارے
اب تلک نیم جان ہے پیارے
سجدہ کرنے میں سر کٹیں ہیں جہاں
سو ترا آستان ہے پیارے
گفتگو رنختے میں ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے
کام میں قتل کے مرے تن دے
اب تلک مجھ میں جان ہے پیارے
چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس
یہ ہمارا نشان ہے پیارے
شکلیں کیا کیا کیا ہیں جن کی خاک
وہی آسمان ہے پیارے
جا چکا دل تو یہ یقینی ہے
کیا اب اس کا بیان ہے پیارے
خونِ تبسم کے کرنے سے تیرے
خنجر لب پر گمان ہے پیارے

میر عدا بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

□□□

جس جگہ دور جام ہوتا ہے
ہم تو اک حرف کے نہیں ممنون
کیسا خط و پیام ہوتا ہے
تغ ناکاموں پر نہ ہر دم کھینچ
اک کرشمہ میں کام ہوتا ہے
پوچھ مت آہ عاشقوں کی معاش
روز ان کا بھی شام ہوتا ہے
زخمِ دہنِ غمِ دہن اور غصہ بین
اپنا کھانا حرام ہوتا ہے
شیخ کی سی ہی شکل ہے شیطان
جس پہ شب احکام ہوتا ہے
میر صاحب بھی اُس کے ہاں تھے پر
جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

□□□

تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے
بے طاقتی دل کو بھی مقدور ہوا ہے
پہنچا نہیں اس سمع مبارک میں مرا حال
یہ قصہ تو اس شہر میں مشہور ہوا ہے
بیخوابی تری آنکھوں پہ دیکھوں ہوں مگر رات
افسانہ مرے حال کا مذکور ہوا ہے

کل صبح ہی مستی میں سر راہ نہ آیا
یاں آج مرا شیشہ دل چور ہوا ہے
کیا سوچھے اسے جس کی ہو یوسف ہی نظر میں
یعقوب بجا آنکھوں سے معذور ہوا ہے
پر شور ہے یہ عشق معنی پیراں کے
یہ کاسہ سر کاسہ طنبور ہوا ہے
تلوار لئے پھرنا تو اب اس کا سنا میں
نزدیک مرے کب کا یہ سر دور ہوا ہے
خورشید کی محشر میں تپش ہوگی کہاں تک
کیا ساتھ مرے داغوں کے محشور ہوا ہے
اے رشکِ حرم میں لے منہ پہ نقاب
اک شمع کا چہرہ ہے سو بے نور ہوا ہے
اُس شوق کو تک دیکھ کہ چشمِ گراں ہے
جو زخمِ جگر کا مرے ناسور ہوا ہے

□□□

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجئے
ہر سر حرف پہ فریادِ نہایت کیجئے
گو کہ سر خاکِ قدم پر ترے لوٹے اس میں
اپنا شیوہ ہی نہیں یہ کہ شکایت کیجئے

ہم جگر سوختہ کے جی میں جو آوے تو ابھی
دو دل ہو کے فلک تجھ میں سرایت کیجئے
عشق میں آپ کے گزرے نہ ہماری تو مگر
عوضِ جور و جفا ہم پہ عنایت کیجئے
مت چلا عشق کی رہ کی کہ کہے ہے یاں خضر
آپی گمراہ ہیں ہم کس کو ہدایت کیجئے
کس کے کہنے کو ہے تاثیر کہ اک میر ہی سے
رمز و ایماؤ و اشارات و کنایت کیجئے

□□□

گئے جی سے چھوٹے بتوں کی جفا سے
یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے
وہ اپنی ہی خوبی پہ رہتا ہے نازاں
مرو یا جیو کوئی اس کی بلا سے
کوئی ہم سے کھلتے ہیں بند اس قبا کے
یہ عقدے کھلیں گے کسو کی دعا سے
پشیمانِ توبہ سے ہوگا عدم میں
کہ غافلِ چلا شیخِ لطف ہوا سے
نہ رکھی مری خاک بھی اس گلی میں
کدورت مجھے ہے نہایت صبا سے

اگر چشم ہے تو وہی عین حق ہے
تعصب تجھے ہے عجب ماسوا ت
جگر سوئے مڑگاں کھپا جائے ہے کچھ
مگر دیدہ تر ہیں لوہو کے پیاسے
طیپ سبک عقل برگز نہ سمجھا
ہوا درد عشق آہ دونا دوا سے
نک اے مدعی چشم انصاف وا کر
کہ بیٹھے ہیں یہ قافیے کس ادا سے

نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت
کہو میر جی آج کیوں ہو خفا سے

□□□

کبکوں نے تیری چال جو دیکھی ٹھک گئے
دل ساکنان باغ کے تجھ سے انک گئے
اندوہ وصل و ہجر نے عالم کھپا دیا
ان دو ہی منزلوں میں بہت یار تھک گئے
مطلق اثر نہ اس کے دل نرم میں کیا
ہر چند نالہائے حزیں عرش تک گئے
افراط گریہ سے ہوئیں آبادیاں خراب
سیلاب میرے اشک کے اثر دور بہک گئے

اے میکس طرف جنہیں خم کشی کے تھے
بھر کر نگاہ تو نے جو کی وہیں چھک گئے
چند اے سپہر چھاتی ہماری جلا کرے
اب داغ کھاتے کھاتے کیچے تو پک گئے
عشاق پر جو دے صف مڑگاں پھریں تو میر
جوں اشک کتنے چو گئے کتنے ٹپک گئے

□□□

زندگی ہوتی ہے اپنی غم کے مارے دیکھئے
موند لیں آنکھیں ادھر سے تم نے پیارے دیکھئے
لخت دل کب تک الہی چشم سے پکا کریں
خاک میں تا چند ایسے لعل پارے دیکھئے
ہو چکا روز جزا اب اے شہیدان وفا
چونکتے ہیں خون خفتہ کب تمہارے دیکھئے
راہ دور عشق میں اب تو رکھا ہم نے قدم
رفتہ رفتہ پیش کیا آتا ہے بارے دیکھئے
سینہ مجروح بھی قابل ہوا ہے میر کے
ایک دن تو آن کر یہ زخم سارے دیکھئے
ایک خوں ہو پہ گیا دو روتے ہی روتے گئے
دیدہ دل ہو گئے ہیں سب کنارے دیکھئے

شت شو کا اُس کے پانی جمع ہو کر مہ بنا
اور منہ دھونے کے چیمٹوں سے ستارے دیکھئے

رو گئے سوتے کے سوتے کارواں جاتا رہا
ہم تو میر اس رو کے خوابیدہ ہیں بارے دیکھئے

□□□

آنکھیں لڑا لڑا کر کب تک لگا رکھیں گے
اس پردے ہی میں خوابوں ہم کو سلا رکھیں گے

فقر و بین میں اُس کی چھ بن نہ آئی آخر
اب یہ خیال ہم بھی دل سے اٹھا رکھیں گے
مشت نمک کو میں نے بیکار کم رکھا ہے
چھائی کے زخم میرے مدت مزا رکھیں گے

سبز ان شہر اکثر درپے ہیں آبرو کے
اب زہر باس اپنے ہم بھی منگا رکھیں گے
آنکھوں میں دلبروں کی مطلق نہیں مروت
یہ پاس آشنائی منظور کیا رکھیں گے

جیتے ہیں جب تک ہم آنکھیں بھی لڑتیاں ہیں
دیکھیں تو جو خواباں کب تک روا رکھیں گے

اب چاند بھی لگا ہے تیرے سے جلوے کرنے
شبہائے ماہ چندے تجھ کو چھپا رکھیں گے

مرگان و چشم و ابرو سب ہیں تیرے نام
ان آفتوں سے دل ہم کیونکر بچا رکھیں گے
دیوان میر صاحب ہر یک کی ہے بغل میں
دو چار شعر ان کے ہم بھی لکھا رکھیں گے

□□□

اپنا شعار پوچھو تو مہرباں وفا ہے
پراس کے جی میں ہم سے کیا چاہیے کہ کیا ہے
بالیں پہ میری آ کر تک دیکھ شوق دیدار
سارے بدن کا جی اب آنکھوں میں آ رہا ہے
بے اُس کے رک کے مرتے گرمی عشق میں تو
کرتے ہیں آہ جب تک تب تک ہی کچھ ہوا ہے

شکوہ ہے رونے کا یہ بیگانگی سے تیری
مرگان تر و گرنہ آنکھوں میں آشنا ہے
مت کر زمین دل میں تخم امید ضائع
بونا جو یاں اُگا ہے سو اگتے ہی جلا ہے

شرمندہ ہوتے ہوں گے خورشید و ماہ دونوں
خوبی نے منہ کی تیرے ظالم قراں کیا ہے
اے شمع بزم عاشق روشن ہے یہ کہ تجھ دن
آنکھوں میں میری عالم تاریک ہو گیا ہے

□□□

جب تک کڑی اٹھائی گئی ہم کڑے رہے
ایک ایک سخت بات پہ برسوں اڑے رہے
اب کیا کریں نہ صبر ہے دل کو نہ جی میں تاب
کل اس گلی میں آٹھ پہر غش پڑے رہے
وہ گل کو خوب کہتی تھی میں اس کے روکے تیں
بلبل سے آج باغ میں جھلڑے بڑے رہے
فریاد و قیاس ساتھ کے سب کب کے چل بے
دیکھیں نہ کیونکہ ہو اب ہم چھڑے رہے
کس کے تیں نصیب گل فاتحہ ہوئے
ہم سے ہزاروں اس کی گلی میں گڑے رہے
برسوں تلک نہ آنکھ ملی ہم سے یار کی
پھر گو کہ ہم بصورت ظاہر اڑے رہے
یعنی کہ اپنے عشق کے حیران کار میر
دیوار کے سے نقش در اوپر کھڑے رہے

□□□

شش جہت سے اس میں ظالم بوئے خوں کی راہ ہے
تیرا کوچہ ہم سے تو کہہ کس کی بھل گاہ ہے

جیتے ہی جی تلک میں سارے ملائے سو تو
عاشق ترا مجھ و فارغ ہی ہو چکا ہے
صد سحر و یک رقیمہ خط میر جی کا دیکھا
قاصد نہیں چلا ہے جاوہ مگر چلا ہے

□□□

حرم کو جائے یا دیر میں بسر کرے
تری تلاش میں اک دل کدھر کدھر کرے
کئے سے دیکھئے یوں عمر کب تلک اپنی
کہ سنئے نام ترا اور چشم تر کرے
وہ مست ناز تو چلا ہے کیا جتائے حال
جو بے خبر ہو بھلا اس کے تیں خبر کرے
ہوا ہے دن تو جدائی کا سو تعب سے شام
شب فراق کس امید پر سحر کرے
جہاں کا دید بجز ماتم نظارہ نہیں
کہ دیدنی ہی نہیں جس پہ یاں نظر کرے
جیون سے جاتے ہیں ناچار آہ کیا کیا لوگ
کبھو تو جانب عشاق بھی گزر کرے
ستم اٹھانے کی طاقت نہیں ہے اب اس کو
جو دل میں آوے تو ٹک رحم میر پر کرے

ایک تھنے کا نہیں مرگاں تلک بوجھل میں سب
کاروان لخت دل ہر اثک کے ہمراہ ہے
ہم جوانوں کو پھوڑا اس سے سب پکڑے گئے
یہ دو سالہ دختر رز کس قدر شتہا ہے
پا برہنہ خاک سر میں مو پریشاں سینہ چاک
حال میرا دیکھنے آتیرے ہی دلخواہ ہے
اس جنوں پر میر کوئی بھی پھرے ہے شہر میں
جادہ صحرا سے کر سازش جو تجھ سے راہ ہے

□□□

مشکل ہے ہونا روکش رخسار کی جھلک کے
ہم تو بشر ہیں اُس جا پر جلتے ہیں ملک کے
مرتا ہے کیوں تو ناحق یاری برادری پر
دُنیا کے سارے ناتے ہیں جیتے جی تلک کے
کہتے ہیں گور میں بھی ہیں تین روز بھاری
جاویں کدھر الہی مارے ہوئے فلک کے
لاتے نہیں نظر میں غلطانی گہر کو
ہم معتقد ہیں اپنے آنسو ہی کی ڈھلک کے
کل اک مژہ نچوڑے طوفانِ نوح آیا
فکرِ فشار میں ہوں میر آج ہر پلک کے

□□□

تاچند ترے غم میں یوں زار رہا کیجئے
امید عیادت پر بیمار رہا کیجئے
نئے اب ہے جگر کاویٰ نے سینہ خراش ہے
کچھ جی میں یہ آئے ہے بیکار رہا کیجئے
کیفیت چشماں اب معلوم ہوئی اس کی
یہ مست ہیں دو خونیٰ ہشیار رہا کیجئے
دل جاؤ تو اب جاؤ ہو خوں تو جگر ہووے
اک جان ہے کس کس کی غمخوار رہا کیجئے
ہے زلیست کوئی یہ بھی جو میر کرے ہے تو
ہر آن میں مرنے کو تیار رہا کیجئے

□□□

میری پرشس پہ تری طبع اگر آوے گی
صورت حال تجھے آپنی نظر آوے گی
محو اس کا نہیں ایسا کہ جو چیتے گا شتاب
اُس نے بیخود کی بہت دیر خبر آوے گی
کتنے پیغام چمن کو نہیں سواں میں ہیں گرہ
کو دن ہم تیں بھی بادِ سحر آوے گی

ایر مت گور غربیاں پہ برس غافل
ان دل آرزوؤں کے جی میں بھی لہر آوے
میر میں جیتوں میں آؤں گا اُسی دن جس دن
دل نہ تڑپے گا مرا چشم نہ بھر آوے گی

□□□

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی
حال بدگفتی نہیں
تم نے پوچھا تو مہربانی
سب تو جانا ہے یوں تو پر اے صبر
آتی ہے اک تری جوانی کی
تشنہ لب مر گئے ترے عاشق
نہ ملی ایک بوند پانی
بیت بجھی سمجھ کے کر بلبل
دھوم ہے میری خوش زبانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند میر نے کل
ابتدا پھر وہی کہانی

□□□

ہے یہ بازار جنوں منڈی سے دیوانوں کی
یاں دکائیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی
کیونکہ کہئے کہ اثر گریہ مجنوں کو نہ تھا
گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی
یہ بولہ تو نہیں دشت محبت میں سے
جمع ہو خاک اڑی کتنی پریشانوں کی
خائفہ کا تو نہ کر قصد ملک اے خانہ خراب
یہی اک رہ گئی ہے بہتی مسلمانوں کی
سیل اشکوں سے بہے صرصر آہوں سے اڑے
مجھ سے کیا کیا نہ خرابی ہوئی ویرانوں کی
دل و دیں کیسے کہ اُس رہزن دلہا سے اب
یہ پڑی ہے کہ خدا خیر کرے جانوں کی
کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرت شمع
کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی
سرگزشتیں نہ مری سن کہ اچلتی ہے نیند
خاصیت یہ ہے مری جان ان انسانوں کی
میکدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں میر
ہو نہ لغزش کہیں مجلس ہے یہ بیگانوں کی

□□□

آئے ہمارے عہد سے وحشت کو جانہ تھی
دیوانگی کسو کی بھی زنجیر پا نہ تھی
بیگانہ سالک ہے چمن اب خزاں میں باغ
ایسی گئی بہار مگر آشنا نہ تھی
کب تھا یہ شورِ نوحہ ترا عشق جب نہ تھا
دل تھا ہمارا آگے تو ماتم سرا نہ تھی
وہ اور کوئی ہوگی سحر جب ہوئی قبول
شرمندہ اثر تو ہماری دعا نہ تھی
آگے بھی تیرے عشق سے بھینچے تھے درد و رنج
لیکن کسو کے پاس متاع وفا نہ تھی
آئی پری کی پردہ مینا سے جام تک
آنکھوں میں تیری دستِ رز کیا حیا نہ تھی
اس وقت سے کیا ہے مجھے تو چراغِ وقف
مخلوق جب جہاں میں نسیم و صبا نہ تھی
پشمرده اس قدر ہیں کہ ہے شبہ ہم کو میر
تن میں ہمارے جان کھو تھی بھی یا نہ تھی

□□□

تیری گلی سے جب ہم عزم سفر کریں گے
ہر قدم کے اوپر پتھر جگر کریں گے

آزردہ خاطروں سے کیا فائدہ سخن کا
تم حرف سر کرو گے ہم گریہ سر کریں گے
عذر گناہِ خواہاں بدتر گنہ سے ہو گا
کرتے ہوئے تلافی بے لطف تر کریں گے
سر جانیکا دیکھیں آنکھیں ادھر ہی ہوگی
کیا تیری تیغ سے ہم قطع نظر کریں گے
اپنی خبر بھی ہم کو اب دیر پہنچتی ہے
کیا جانے یار اُس کو کب تک خبر کریں گے
گردل کی تاب و طاقت یہ ہے تو ہمنشین ہم
شام غم جدائی کیونکر سحر کریں گے
یہ ظلم بے نہایت دیکھو تو خور ویاں
کہتے ہیں جو ستم ہے ہم تجھ ہی پر کریں گے
اپنے ہی جی میں آخر انصاف کر کہ کب تک
تو یہ ستم کرے گا ہم درگزر کریں گے
صناع طرفہ ہیں ہم عالم میں ریتخے کے
جو میر جی لگے گا تو سب ہنر کریں گے

□□□

چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی
یار کے تیز جان لیجا بھی

کیوں تری موت آئی ہیگی عزیز
سامنے سے مرے ارے جا بھی

حال کہ چپ رہا تو میں بولا
کس کا قصہ تھا ہاں کہے جا بھی

کہنے لگا نہ وہی بک اتنا
کیوں ہوا ہے سڑی ابی جا بھی
میں کہا میر جاں بلب ہے شوخ
تو نے کوئی خبر کو بھیجا بھی

□□□

گرم بین شور سے تجھ حسن کے بازار کئی
ریشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی
کب تک داغ دکھاوے گی اسیری مجھ کو
مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی
وے ہی چالاکیاں ہاتھوں کی ہیں جو اول تھیں
اب گریباں میں مرے رہ گئے ہیں تار کئی

خوف تہائی نہیں کر تو جہاں سے تو سفر
ہر جگہ راہ عدم میں ملیں گے یار کئی
اضطراب و قلق و ضعف میں کس طور جیوں
جان واحد ہے مری اور ہیں آزار کئی

□□□

دل کو تسکین نہیں اشک دمام سے بھی
اس زمانے میں گئی ہے برکتِ علم سے بھی
ہمنشیں کیا کہوں اس ریشک مہ تاباں بن
صبح عید اپنی ہے بدتر شبِ ماتم سے بھی
آخر کار محبت میں نہ نکلا کچھ کام
سینہ چاک و دل پر مردہ مژہ نم سے بھی
آہ ہر غیر سے تاچند کہوں جی کی بات
عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی

دوری کوچہ میں اسے غیرتِ فردوس تری
کام گزرا ہے مرا گریہ آدم سے بھی
ہمت اپنی ہی تھی یہ میر کہ جوں مرغ خیال
اک پر افشانی میں گزرے سرِ عالم سے بھی

□□□

تاب دل صرف جدائی ہو چکی
یعنی طاقت آزمائی ہو چکی
چھوٹا کب ہے اسیر خوش زباں
جیتے جی اپنی رہائی ہو چکی

آگے ہو مسجد کے نکلے اس کی راہ
شیخ سے اب پارسائی ہو چکی

درمیاں ایسا نہیں اب آئینہ
میری اس کی اب صفائی ہو چکی
ایک بوسہ مانگتے لڑنے لگے
اتنے ہی میں آشنائی ہو چکی

بیچ میں ہم ہی نہ ہوں تو لطف کیا
رحم کر اب بے وفائی ہو چکی
آج پھر تھا بے حمیت میر وال
کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی

□□□

اس وعدہ کی رات وہ آئی جو اس میں نہ لڑائی ہوئی
آخر اس اوباش نے مارا رہتی نہیں ہے آئی ہوئی
رہ میں اُس بے اُلفت کے گھبراہٹ دل ہی کو تو نہیں
سارے حواسوں میں ہے تشمت جان بھی ہے گھبرائی ہوئی
گرچہ نظر ہے پشت پا پر لیکن قہر قیامت ہے
گڑ جاتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اس کی شرمائی ہوئی
جنگل جنگل شوق کے مارے ناقہ سوار پھرا کیے
مجنوں جو صحرائی ہوا تو لیلیٰ بھی سودائی ہوئی

دردِ دل سوزانِ محبت کو جو ہو تو عرش پہ ہو
یعنی دور بجھے گی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی

چتون کی آغاز سے ظالم ترکِ مروت پیدا ہے
اہلِ نظر سے چھپتی نہیں ہے آنکھ کسو کی چھپائی ہوئی
میر کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہنہ رباط سے بیڑی میں
رقص کنناں باز ارتکب آئے عالم میں رسوائی ہوئی

□□□

موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے ہرے
پودے چمن میں پھونوں سے دیتے بھرے بھرے
آگے کسو کے کیا کریں دستِ طبع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے
کیا مجھ کو اس کے رتبہ عالی سے اہلِ خاک
پھرتے ہیں جوں سپہر بہت ہم ورے ورے
مرتا تھا میں تو باز رکھا مرنے سے مجھے
یہ کہہ کے کوئی ایسا کرے ہے ارے ارے
گلشن میں آگ لگ رہی تھی رنگ گل سے میر
بلبلِ پکاری دیکھ کے صاحب پرے پرے

□□□

خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی طاقت کی
نگاہ چشم ادھر تو نے کیا قیامت کی
انہوں میں جو کہ ترے جو مجھ رہتے ہیں
نہیں ہے قدر ہزاروں برس کی طاعت کی
اٹھائی ننگ سمجھ تم نے بات کے کہتے
وفا و مہر جو تھی رسم ایک مدت کی
رکھیں امید رہائی اسیر کاکل و زلف
مری تو باتیں ہیں زنجیر صرف الفت کی
رہے کوئی خرابات چھوڑ مسجد میں
ہوا منائی اگر شیخ نے کرامت کی
سوال میں نے جو انجام زندگی سے کیا
قد خیدہ نے سوئے زمیں اشارت کی
نہ میری قدر کی اُس سنگدل نے میر کھو
ہزار حیف کہ پتھر سے میں محبت کی

□□□

فلر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی
ہے سزا تجھ پہ یہ گستاخ نظر کرنے کی
کہہ حدیث آنے کی اُس کے جو کیا شادی مرگ
نامہ بر کیا چلی تھی ہم کو خبر کرنے کی

کیا جی جاتی ہے خوبی ہی میں اپنی اسے شمع
کہہ پٹنگے کی بھی کچھ شام و سحر کرنے کی
اب کی برسات ہی کی ذمہ تھا عالم کا وبال
میں تو کھائی تھی قسم چشم کے تر کرنے کی
پھول کچھ لینے نہ نکلے تھے دل صد پارہ
طرز سیکھی ہے مرے نکلے جگر کرنے کی
ان دنوں نکلے ہے ہنشتہ بخوں راتوں کو
دھن ہے نالہ کو کسو دل میں اثر کرنے کی
عشق میں تیرے گزرتی نہیں بن سر پٹکے
صورت اک یہ رہی ہے نمر بسر کرنے کی
کاروائی ہے جہاں عمر عزیز اپنی میر
رہ ہے درپیش سدا اس کو سفر کرنے کی

□□□

خرابی کچھ نہ پوچھو ملک دل کی عمارت کی
نمون نے آج کل سنیو وہ آبادی کی عمارت کی
نگاہ مست سے جب چشم نے اسکی اشارت کی
حلاوت ہے کی اور بنیاد سے خانہ کی عمارت کی
حرگہ میں نے پوچھا گل سے حال زار بلبل کا
پڑے تھے باغ میں یک مشت پڑا دھڑ اشارت کی

جلایا جس تجلی جلوہ گر نے طور کو ہدم
اُسی آتش کے پرکالے نے ہم سی بھی شرارت کی
زراکت کیا کہوں خورشید رو کی کل شبِ مہ میں
گیا تھا سایہ سایہ بانگِ تنس پر حرارت کی
ترے کوچے کے شوقِ طوف میں جیسے بگولا تھا
بیاباں میں غبارِ میر کی ہم نے زیارت کی

□□□

میں نے جو بیکسانہ مجلس میں جان کھولی
سر پر مرے کھڑی ہو شبِ شمع زورِ روئی
آتی ہے شمعِ شب کو آگے ترے یہ کہہ کر
منہ کی گئی جو لوئی تو کیا کرے گا کوئی
بے طاقتی نے آگے کچھ پوچھتا بھی تھا سو
رونے نے ہر گھڑی کے وہ بات ہی ڈبوئی
بلبل کی بے کلی نے شب بے دماغ رکھا
سونے دیا نہ ہم کو ظالم نہ آپ سوئی
اُس ظلمِ پیشہ کی یہ رسمِ قدیم ہے گی
غیروں پہ مہربانی یاروں سے کینہ جوئی
نوبت جو ہم سے گاہے آتی ہے گفتگو کی
منہ میں زباں نہیں ہے اُس بدزباں کی گوئی

اس مہ کے جلوہ سے کچھ تا میر یاد دیوے
اکی گھروں میں ہم نے سب چاندنی ہے یوئی

□□□

الم سے یاں تیں میں عشقِ ناتوانی کی
کہ میری جان نے تن پر مرے گرانی کی
چمن کا نام سنا تھا دلے نہ دیکھا بائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی
ملائی خوب مرے خوں میں خاکِ بکل گاہ
یہ تھوڑی منتیں ہیں مجھ پہ سخت جانی کی
پتنگ ہوں میں ترے اختلاط سے پیری
قسم ہے اپنی مجھے اُس گئی جوانی کی
چلا ہے کھینچنے تصویرِ میرے بت کی آج
خدا کے واسطے صورت تو دیکھو مانی کی
حری گلی کے ہر اک سگ نے توڑے انتخاں
ہماری لاش کی شبِ خوبِ پاسبانی کی
رکھے ہیں میرِ ترے منہ سے بیوفا خاطر
حری جفا کے تغافل کی بدگمانی کی

□□□

لا ملاجی ہے جو ربتی ہے مجھے آہ ارگی
 کیجئے کیا میر صاحب بندگی بیچارگی
 کیسی کیسی تجتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں
 دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا یکبارگی
 روئے گل پر روز و شب کس شوق سے رہتا ہے بار
 رختہ دیوار ہے یا دیدہ نظارگی
 اشک خونیں آنکھ میں بھر لا کے پی جاتا ہوں میں
 مختب رکھتا ہے مجھ پر خیمت میخوارگی
 مت فریب سادگی کھا ان سیہ چشموں کا میر
 ان کی آنکھوں سے نکلتی ہے بڑی عیارگی

□□□

رکھتا ہے ہم سے وعدہ ملنے کا یار ہر شب
 ہو جاتے ہیں لیکن بخت کنار ہر شب
 مدت ہوئی کہ اب تو ہم سے جدا رکھے ہے
 اُس آفتاب رو کو یہ روزگار ہر شب
 دیکھیں ہیں راہ کس کی یا رب کہ اختروں کی
 رہتی ہیں باز آنکھیں چندیں ہزار ہر شب
 دھوکے ترے کو دن میں جان دے رہو نگا
 کرتا ہے ماہ میرے گھر سے گزار ہر شب

دل کی کدورت اپنے اک شب بیاں ہوئی تھی
 رہتا ہے آسمان پر تب سے غبار ہر شب
 کس کے لگا ہے تازہ تیر نگاہ اُس کا
 اک آہ میرے دل کی ہوتی ہے پار ہر شب
 مجلس میں میں نے اپنا سوز جگر کہا تھا
 روتی ہے شمع تب سے یہ اختیار ہر شب
 ناپوس وصل اُس کے کیا سادہ مردماں ہیں
 گزرے ہے میر اُن کو امیدوار ہر شب

□□□

اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پر آب روز و شب
 چکا کرے ہے آنکھوں سے خوناب روز و شب
 اک وقت رونے کا تھا ہمیں بھی خیال سا
 آتے تھے آنکھوں سے چلے سیلاب روز و شب
 اُس کے لیے نہ پھرتے تھے ہم خاک چھانتے
 رہتا تھا پاس دور نایاب روز و شب
 قدرت تو دیکھ عشق کی مجھ سے ضعیف کو
 رکھتا ہے شاد بے خورو بے خواب روز و شب
 سجدہ اس آستان کا نہیں یوں ہوا نصیب
 رگڑا ہے سر میانہء محراب روز و شب

اب رسم ربط انھ ہی گئی ورنہ پیش ازیں
 میٹھے ہی رہتے تھے بہم احباب روز و شب
 دل کس کے رو و مو سے لگایا ہے میر نے
 پاتے ہیں اس جوان کو بیتاب روز و شب
 رویا کئے ہیں غم سے ترے ہم تمام شب
 پڑی رہی ہے زور سے شبنم تمام شب
 زکے سے دل کے آج بچا ہوں تو اب بچا
 چھاتی رہی میں رہا ہے مرا دم تمام شب
 یہ اتصال اشک جگر سوز کا کہاں
 روتی ہے یوں تو شمع بھی کم تمام شب
 گزرا کسے جہاں میں خوشی سے تمام روز
 کس کی کئی زمانے میں بے غم تمام شب
 شکوہ عبث ہے میر کہ کڑھتے ہیں سارے دن
 یا دل کا حال رہتا ہے درہم تمام شب

□□□

کس کی مسجد کیسے بتانے کہاں کے شیخ و شتاب
 ایک گردش میں تری چشم سید کے سب خراب
 تو کہاں اُس کی کمر کیدھڑ نکریو اضطراب
 اے رگ گل دیکھو کھاتی ہے جو تو پیچ و تاب

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے
 کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب
 تو ہو اور دنیا ہو ساقی میں ہوں مستی ہو مدام
 پرہیز صبا نکالے اُڑ چلے رنگ شراب
 ہے ملاحات تیرے باعث شور پر تجھ سے نمک
 نک تو رہ پیری چلی آتی ہے اے عہد شباب
 کب تھی یہ بے جراتی شایان آہوئے حرم
 ذبح ہوتا تیغ سے یا آگ میں ہوتا کباب
 کیا ہو رنگ رفتہ کیا قاصد ہو جس کو خط دیا
 جز جواب صاف اس سے کب کوئی لایا جواب
 وائے اس جینے پر اے مستی کہ دور چرخ میں
 جام سے پر گردش آوے اور میخانہ خراب
 چوب حرنی بن الف بے میں نہیں پہچانتا
 ہوں میں ابجد خواں شناسائی کو مجھ سے کیا حساب
 مت ڈھلک مڑگاں سے اب تو اے سرخک آبدار
 مفت میں جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب
 کچھ نہیں بھر جا کی موج پر مت بھول میر
 دور ہے دریا نظر آتا ہے لیکن ہے سراب

□□□

روزانہ ملوں یار سے یا شب ہو ملاقات

کیا فکر کروں میں کہ سو ڈھب ہو ملاقات

نئے بخت کی باری ہے نہ کچھ جذب ہے کمال

وہ آپنی ملے تو ملے پھر جب ہو ملاقات

دوری میں کروں نالہ و فریاد کہاں تک

اک بار تو اُس شوخ سے یار ہو ملاقات

جاتی ہے غشی بھی کبھو آتے ہیں بخود بھی

کچھ لطف اُٹھے بارے اگر اب ہو ملاقات

وحشت ہے بہت میر کو مل آئیے چل کر

کیا جانے پھر یاں سے گئے کب ہو ملاقات

□□□

سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جاناں سمیت

تیر تو نکلا مرے سینے سے لیکن جاں سمیت

تنگ ہو جاوے گا عرصہ خفتگانِ خاک پر

گر ہمیں زیرِ زمیں سونپا دل نالاں سمیت

باغ کر دکھلائیں گے دامنِ دشتِ حشر کو

ہم بھی واں آئے اگر مرثگانِ خون افشاں سمیت

قیس و فرہاد اور واثق عاقبت جی سے گئے

سب کو مارا عشق نے مجھ خانماں ویراں سمیت

اٹھ گیا پردہ نصیحت گر کے لگ پڑنے سے میر

پھاڑ ڈالا میں گریباں رات کو داماں سمیت

□□□

کیا کہیں اپنی اُس کی شب کی بات

کیسے ہووے جو کچھ بھی ڈھب کی بات

اب تو چپ لگ گئی ہے حیرت سے

پھر کھلے گی زبان جب کی بات

نکتہ دانانِ رفتہ کی نہ کہو

بات وہ ہے جو ہووے اب کی بات

کس کا روئے خن نہیں ہے ادھر

ہے نظر میں ہماری سب کی بات

ظلم ہے قہر ہے قیامت ہے

غصے میں اُس کے زیرِ لب کی بات

کہتے ہیں آگے تھا بتوں میں رحم

ہے خدا جانے یہ کب کی بات

گو کہ آتشِ زباں تھے آگے میر

اب کی کہئے گئی وہ تب کی بات

□□□

ہر صدم کروں ہوں الحاج یا اثابت
تو بھی مری دعا سے ملتی نہیں اجابت

مت لے حساب طاقت اے ضعف مجھ سے ظالم
لاق نہیں ہے تیرے یہ کون سی ہے بابت
کیا کیا لکھا ہے میں نے وہ میر کیا کہے گا
گم ہووے نامہ بر سے یا رب مری کتابت

□□□

پلوں پہ تھے پارہ جگر رات
ہم آنکھوں میں لے گئے بسر رات

اک دن تو وفا بھی کرتے وعدہ
گزری ہے امیدوار ہر رات
مکھڑے سے اٹھائیں ان نے زلفیں
جانا بھی نہ ہم گئی کدھر رات
تو پاس نہیں ہوا تو روتے
رہ رہ گئی پہر پہر رات
کیا دن تھے کہ خون تھا جگر میں
رو اٹھتے تھے بیٹھ دو پہر رات

واں تم تو بناتے ہی رہے زلف
عاشق کی بھی یاں گزر گئی رات

ساقی کے جو آنے کی خبر تھی
گزری ہمیں ساری بے خبر رات
کیا سوز جگر کہوں میں ہدم
آیا جو سخن زبان پر رات
صحت یہ رہی کہ شمع روئی
لے شام سے تا دم سحر رات

کھلتی ہے جب آنکھ شب کو تجھ دن
کتنی نہیں آتی پھر نظر رات
دن وصل کا یوں کٹا کہے تو
کائی ہے جدائی کی مگر رات

کل تھی شب وصل اک ادا پر
اس کی گئے ہوتے ہم تو مر رات

جاگے تھے ہمارے بخت خفتہ
پہنچا تھا بہم وہ اپنے گھر رات
تھی صبح جو منہ کو کھول دینا
ہر چند کہ تب تھی اک پہر رات
پر زلفوں میں منہ چھپا کے پوچھا
اب ہوو گی میر کس قدر رات

□□□

جیتا ہی نہیں ہو جسے آزارِ محبت
مایوس ہوں میں بھی کہ ہوں بیمارِ محبت
امکان نہیں جیتے جی ہو قید سے آزاد
مر جائے بھی چھوٹے گرفتارِ محبت
تقصیر نہ خواباں کی نہ جلاد کا کچھ جرم
تھا دشمنِ جانی مرا اقرارِ محبت
ہر جنس کے خواباں ملے بازارِ جہاں میں
لیکن نہ ملا کوئی خریدارِ محبت
اس راز کو رکھ جی میں تا جی پہنچے تیرا
زنہار جو کرتا ہو تو اظہارِ محبت
ہر نقشِ قدم پر ترے سر پہنچے ہیں عاشق
نک سیر تو کر آج تو بازارِ محبت
کچھ مست ہیں ہم دیدہ پر خونِ جگر سے
آیا ہے یہی ساغرِ سرشارِ محبت
بیکار نہ رہ عشق میں تو رونے سے ہرگز
یہ گریہ ہی ہے آپِ ربخ کا محبت
مجھ سہمی ہو مجنوں بھی یہ کب مانے ہے عاقل
ہر سر نہیں اے میر سزاوارِ محبت

□□□

ہوتی ہے گر چہ کہنے سے یارو پرانی بات
پر ہم سے تو بھی نہ بھوم نہ پرانی بات
جانے نہ تجھ کو جو یہ قصع تو اس سے کر
بس پر بھی تو چھپی نہیں رہتی بنائی بات
اب تو ہوئے ہیں ہم ترے ڈھب سے آشنا
واں تو نے کچھ کہا کہ ادھر ہم نے پائی بات
بلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے
پوشیدہ کب رہی ہے کسی کی اڑائی بات
اب مجھ ضعیف و زار کو مت کچھ کہا کرو
جانی نہیں ہے مجھ سے کسو کی اٹھائی بات
خط لکھتے لکھتے میر نے دفتر کئے رواں
افراطِ اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

□□□

نہ پایا دل ہوا روزِ سیہ سے جس کا جالٹ پٹ
کسو کی زلف ڈھونڈی موہو کا کل کو سب لٹ لٹ
تو کن نیندوں پڑا سوتا تھا دروازہ کو موندے شب
میں چوکھٹ پر تری کرتا رہا سر کو ٹپک کھٹ کھٹ
چٹیں لگتی ہیں دل پر بلبلوں کے باغباں تو جو
چمن میں توڑتا ہے ہر سحر کلیوں کے تین چٹ چٹ

ترے جہراں کی بیماری میں میر ناتواں کو شب
ہوا ہے خواب سوتا آہ اس کروٹ سے اس کروٹ

□□□

آئے ہیں میر منہ کو بنائے جفا سے آج
شاید بگڑ گئی ہے کچھ اُس بیوفا سے آج
واشد ہوئی نہ دل کو فقیروں کے بھی ملے
کھلتی نہیں گرہ یہ کسو کی دعا سے آج
جینے میں اختیار نہیں ورنہ ہم نشین
ہم چاہتے ہیں موت تو اپنی خدا سے آج
ساقی تک ایک موسم گل کی طرف بھی دیکھ
نپکا پڑے ہے رنگ چمن میں ہوا سے آج
تھا جی میں اس سے ملے تو کیا کیا نہ کہے میر
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل حیا سے آج

□□□

کاش انھیں ہم بھی گنہ گاروں کے بچ
ہوں جو رحمت کے سزاواروں کے بچ

جی سدا ان ابروؤں ہی میں رہا
کی بسر ہم عمر تلواروں کے بچ

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بچ
ہیں عناصر کی یہ صورت بازیاں
شعبدے سے کیا کیا ہیں ان چاروں کے بچ
جب سے لے نکلا ہے تو یہ جنس حسن
پڑ گئی ہے دھوم بازاروں کے بچ
ناشتی و بے کسی و رنلی
جی رہا کب ایسے آزاروں کے بچ
جو سرشک اس ماہ بن چمکے ہے شب
وہ چمک کا ہے کو ہے تاروں کے بچ
اس کے آتشناک رخساروں بغیر
لوٹے یوں کب تک انگاروں کے بچ
بیٹھنا غیروں میں کب ہے تنگ یار
پھول گل ہوتے ہی ہیں خاروں کے بچ
پارو مت اُس کا فریب مہر کھاؤ
میر بھی تھے اُس کے ہی یاروں کے بچ

□□□

فائدہ مصر میں یوسف رہے زندان کے بچ
بھیجے کیوں و زلیخا اُسے کنعان کے بچ

میری طاعت کو قبول آہ کہاں تک ہوگا
 سبھ اک ہاتھ میں ہے جام ہے اک بات کے بچ
 سرکلیں چشم پہ اس شوخ کے زہار نہ جا
 ہے سیاہی مژہ میں وہ نگہ گھات کے بچ
 بیٹھیں ہم اس کے سگ کو کے برابر کیونکر
 کرتے ہیں ایسی معیشت تو مساوات کے بچ
 تاب و طاقت کو تو رخصت ہوئے مدت گزری
 پند گویوں ہی نکر اب خلل اوقات کے بچ
 زندگی کس کے بھروسے پہ محبت میں کروں
 ایک دل غمزدہ ہے سو بھی ہے آفات کے بچ
 بے مئے و مغنچہ اک دم نہ رہا تھا کہ رہا
 اب تک میر کا تکیہ ہے خرابات کے بچ

□□□

ساتھ ہو اک نیکی کا عالم ہستی کے بچ
 باز خواہ خوں ہے میرا گو اسی ہستی کے بچ
 عرش پر ہے ہم مند پوشان الفت کا دماغ
 اوج دولت کا سا ہے یاں فقر کی پستی کے بچ
 ہم سیہ کاروں کا ہنسا وہ ہے میخانے کی اور
 آگئے ہیں میر مسجد میں چلے مستی کے بچ

تو نہ تھا مردن دشوار میں عاشق کی آہ
 حسرتیں کتنی گرہ تھیں رقی اک جان کے بچ
 چشم بد دور کہ کچھ رنگ ہے اب گریہ پر
 خون جھمکے ہے پڑا دیدہ گریان کے بچ
 حال گلزار زمانہ کا ہے جیسے کہ شفق
 رنگ کچھ اور ہی جائے ہے اک آن کے بچ
 تاک کی چھاؤں میں جو مست پڑی سوتی ہیں
 اینڈتی ہیں نگہیں سایہ مرگان کے بچ
 جی لیا بوسہ رخسار مخطط دے کر
 عاقبت ان نے ہمیں زہر دیا پان کے بچ
 دعویٰ خوش دہی اس سے اسی منہ پر گل
 سر تو نک ڈال کے دیکھ اپنے گریان کے بچ
 کان رکھ رکھ کے بہت درد دل میر کو تم
 سنتے تو ہو پہ کہیں درد نہ ہو کان کے بچ

□□□

کر نہ تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے بچ
 دن نہ پھر جائیں گے عشاق کے اک رات کے بچ
 حرف زن مت ہو کسی سے تو کہ اے آفت شہر
 جاتے رہتے ہیں ہزاروں کے سراک بات کے بچ

□□□

ہونے لگا گداز غم یار بے طرح
 رہنے لگا ہے دل کو اب آزار بے طرح
 اب کچھ طرح نہیں ہے کہ ہم غمزدے ہوں شاد
 کہنے لگا ہے منہ سے ستم گار بے طرح
 جاں برتہارے ہاتھ سے ہو گا نہ اب کوئی
 رکھنے لگے ہو ہاتھ میں تلوار بے طرح
 فتنہ اٹھے گا ورنہ نکل گھر سے تو شباب
 بیٹھے ہیں آ کے طالب دیدار بے طرح
 لوہو میں شور بور ہے دامن و جیب میر
 بھرا ہے آج دیدہ خونبار بے طرح

□□□

خاطر کرے ہے جمع وہ ہر بار ایک طرح
 کرتا ہے چرخ مجھ سے نئے یار ایک طرح
 میں اور قیس و کوہکن اب جو زباں پہ ہیں
 مارے گئے ہیں سب یہ گنہگار ایک طرح
 منظور اُس کو پردے میں ہیں بے جابیاں
 کس سے ہوا دوچار وہ عیار ایک طرح

سب طرحیں اس کی اپنی نظر میں تھیں کیا کہیں
 پر ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار ایک طرح
 گھر اُس کے جا کے آتے ہیں پامال ہو کے ہم
 کرے مکاں ہی اب سر بازار ایک طرح
 مگر گل ہے گاہ رنگ گہے باغ کی ہے بو
 آتا نہیں نظر وہ طرح دار ایک طرح
 نیرنگ حسن دوست سے کر آنکھیں آشنا
 ممکن نہیں وگرنہ ہو دیدار ایک طرح
 ہر طرح تو ذلیل ہی رکھتا ہے میر کو
 ہوتا ہے عاشقی میں کوئی خوار ایک طرح

□□□

کیا ہم بیاں کسو سے کریں اپنی باگی طرح
 کی عشق نے خرابی ہے اس خاندان کی طرح
 جوں سبزہ چل چمن میں لب جو پہ سیر کر
 عمر عزیز جاتی ہے آب رواں کی طرح
 جو سقف بے عمد ہو نہیں اُس کا اعتماد
 کس خانماں خراب نے کی آسمان کی طرح
 اثبات بے ثباتی ہوا ہوتا آگے تو
 کیوں اس چمن میں ڈالتے ہم آشیاں کی طرح

□□□

آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
 ابھریں گے عشقِ دل سے ترے راز میرے بعد
 جینا مرا تو تجھ کو غنیمت ہے ناسمجھ
 کھینچے گا کون پھر یہ ترے ناز میرے بعد
 شمعِ مزار اور یہ سوزِ جگر مرا
 برشب کریں گے زندگی ناساز میرے بعد
 حسرت ہے اُس کے دیکھنے کی دل میں بے قیاس
 اغلب کہ میری آنکھیں رہیں باز میرے بعد
 کرنا ہوں میں جو نالے سرانجامِ باغ میں
 منہ دیکھو پھر کریں گے ہم آواز میرے بعد
 بن گل موا ہی میں تو، پہ تو جا کے لویو
 صحنِ چمن میں اے پر پرواز میرے بعد
 بیضا ہوں میر مرنے کو اپنے میں مستعد
 پیدا نہ ہوں گے مجھ سے بھی جانباز میرے بعد

□□□

ہم گرفتارِ حال ہیں اپنے
 طائر پر بریدہ کے مانند

دل تڑپتا ہے اشکِ خوش میں
 صیدِ درخوں طہیدہ کے مانند
 تجھ سے یوسف کو کیونکہ نسبت دیں
 تب شتہندہ ہو دیدہ کے مانند
 میر صاحب بھی اس کے ہاں تھے لیک
 بندہ زر خریدہ کے مانند

□□□

میرے سنگِ مزار پر فرہاد
 رکھ کے تیشہ کہے بنے یا استاد
 ہم سے بن مرگ کیا جدا ہو ملال
 جان کے ساتھ ہے دلِ ناشاد
 موند آنکھیں سفرِ عدم کا کر
 بس ہے دیکھا نہ عالمِ ایجاد
 فکرِ تعمیر میں نہ رہ منعم
 زندگانی کی کچھ بھی ہے بنیاد
 خاک بھی سر پہ ڈالنے کو نہیں
 کس خرابے میں ہم ہوئے آباد
 سنتے ہو تک سنو کہ پھر مجھ بعد
 نہ سنو گے یہ نالہ و فریاد

□□□

آواز ہماری سے نہ رک ہم ہیں دعا یاد
 آوے گی بہت ہم بھی فقیروں کی صدا یاد
 ہر آن وہ انداز ہے جس میں کہ کہے جی
 اُس مختصر جور کو کیا کیا ہے ادا یاد
 کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری
 اپنی بھی وفا یاد ہے اُس کی بھی جفا یاد
 جی بھول گیا دیکھ کے چہرہ وہ کتابی
 ہم عصر کے علامہ تھے پر کچھ نہ رہا یاد
 سب غلطی رہی بازی طفلانہ کی یکسو
 وہ یاد فراموش تھے ہم کو نہ کیا یاد
 کہے تو گئے بھول کے ہم دیر کا رستہ
 آتا تھا ولے راہ میں ہر گام خدا یاد
 اک لطف کے شرمندہ نہیں میر ہم اس سے
 گویاں سے گئے اُن نے بہت ہم کو کیا یاد

□□□

غیروں سے وے اشارے ہم سے چھپا چھپا کر
 پھر دیکھنا ادھر کو آنکھیں ملا ملا کر

گلتی ہے کچھ سموم سی تو نسیم
 خاک کس دل جلے کی کی برباد

بھولا جائے غم بتاں میں جی
 غرض آتا ہے پھر خدا ہی یاد
 تیرے قید قفس کا کیا شکوہ
 نالے اپنے سے اپنی ہے فریاد
 ہر طرف ہیں اسیر ہم آواز
 باغ ہے گھر ترا تو اے صیاد
 ہم کو مرنا یہ ہے کہ کب ہوں کہیں
 اپنی قید حیات سے آزاد
 ایسا ہے شوخ وہ کہ اٹھتی صبح
 جانا سو جائے اس کی ہے معتاد
 نہیں صورت پذیر نقش اس کا
 یوں ہی تصدیق کھینچے ہے بہزاد
 خوب ہے خاک سے بزرگوں کی
 چاہنا تو مرے تئیں امداد
 پر مروت کہاں کی ہے اے میر
 تو ہی مجھ دل جلے کو کر ارشاد

نامرادی ہو جس پہ پروانہ
 وہ جلاتا پھرے چراغ مراد

ہر گام سد رہ تھی بتخانے کی محبت
 کبے تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر
 تحیر گہ میں تجھ سے جو نیم کشتہ چھوٹا
 حسرت نے اُس کو مارا آخر لٹا لٹا کر
 اک لطف کی نگہ بھی ہم نے نہ چاہی اُس سے
 رکھا ہمیں تو ان نے آنکھیں دکھا دکھا کر
 ناصح مرے جنوں سے آگہ نہ تھا کہ ناحق
 گودڑ کیا گریباں سارا سلا سلا کر
 اک رنگ پاں ہی اس کا دل خون کن جہاں ہے
 پھبتا ہے اس کو کرنا باتیں چبا چبا کر
 جوں شمع صبحگاہی اک بار بجھ گئے ہم
 اس شعلہ خو نے ہم کو مارا جلا جلا کر
 اس حرف ناشنو سے صحبت بگڑ ہی جائے
 ہر چند لاتے ہیں ہم باتیں بنا بنا کر
 میں منع میر تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ
 کھوٹی نہ جان تو نے دل کو لگا لگا کر

□□□

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خودی اے جس بہتر
 نہیں اس قافلے میں اہل دل ضبط نفس بہتر

نہونا ہی بھلا تھا سامنے اس چشم گریاں کے
 نظر اے ابر تر آپی نہ آوے گا برس بہتر
 سدا ہو خار خار باغیاں گل کا جہاں مانگ
 کچھ اے عنندیب اس باغ سے کچھ نفس بہتر
 برا ہے امتحاں لیکن نہ سمجھے تو تو کیا کرے
 شہادت گاہ میں لے چل سب اپنے بوالہوس بہتر
 سیہ کر دوں گا گلشن دودل سے باغیاں میں بھی
 جلا آتش میں میرے آشیاں کے خار خس بہتر
 کیا داغوں سے رشک باغ اے صد آفریں الفت
 یہ سینہ ہم کو بھی ایسا ہی تھا درکار بس بہتر
 قدم تیرے چھوئے تھے جن نے اب وہ ہاتھ ہے سر ہے
 مرے حق میں نہونا ہی تھا یاں تک دسترس بہتر
 عبث پوچھے ہے مجھ سے میر میں صحر اکو جاتا ہوں
 خرابی ہے یہ دل رکھا ہے جو تو نے تو بس بہتر

□□□

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
 اے انتظار تجھ کو کسی کا ہو انتظار
 ساقی تو ایک بار تو توبہ مری تزا
 توبہ کروں جو پھر تو ہے توبہ ہزار بار

کیا زمزمہ کروں ہوں خوشی تجھ سے ہم صغیر
آیا جو میں چمن میں تو جاتی رہی بہار
کس ڈھب سے راہ عشق چلوں ہے یہ ڈر مجھے
پھونٹیں کہیں نہ آبلے ٹوٹیں کہیں نہ خار
کوچے کی اس کے راہ نہ بتلائی بعد مرگ
دل میں صبا رکھے تھی مری خاک سے غبار
اے پائے خم کی گردش ساغر ہو دیگر
مرہون درد سر ہو کہاں تک مرا خمار
وسعت جہاں کی چھوڑ جو آرام چاہے میر
آسودگی رکھے ہے بہت گوشہ مزار

□□□

یہ عشق بے اجل کش ہے بس اے دل اب توکل کر
اگرچہ جان جاتی ہے چلی لیکن تغافل کر
سفر ہستی کا مت کر سرسری جوں باد اے رہرو
گل یہ سب خاک آدمی تھے ہر قدم پر تک تامل کر
سن اے بیدرد بچیں غارت گلشن مبارک ہو
پہ تک گوش مروت جانب فریاد بلبل کر
نہ وعدہ تیرے آنے کا نہ کچھ امید طالع سے
دلی بیتاب کو کس منہ سے کہئے تک تحمل کر

یہ کیا جانوں کہ کیوں رونے لگا رونے سے رہ کر میں
مگر یہ جانتا ہوں مینہ گھر آتا ہے پھر کھل کر
مرے پاس اس کی خاک پائے بیماری میں رکھا تھا
نہ آیا سر مرا بالیں یہ ادھر جو گیا ڈھل کر
تجلی جلوہ ہیں کچھ بام و در غم خانہ کے میرے
وہ رشک ماہ آیا ہمنشیں بس اب ویاکل کر
تری خاموشی سے قمری ہوا شور جنوں رسوا
پلا نک طوق گردن کو بھی ظالم باغ میں غل کر
گداز عاشقی کا میر کے شب ذکر آیا تھا
جو دیکھا شمع مجلس کو تو پانی ہو گئی گھل کر

□□□

آشوب دیکھ چشم تری سر رہے ہیں جوڑ
پکلوں کی صف سے بھیڑیں گئیں منہ کو موڑ موڑ
لاکھوں جتن کئے نہوا ضبط گریہ لیک
سننے ہی نام آنکھ سے آنسو گرے کروڑ
زخم دروں سے میرے نہ تک بے خبر رہو
اب ضبط گریہ سے ہے ادھر ہی کو سب نچوڑ
گری سے برشکال کی پروا ہمیں ہے کیا
برسوں رہی ہے جان کے رکنے کی یاں مروڑ

بہل کی اور چشمِ مروت سے دیکھ نک
بے درد یوں چمن میں کسو پھول کو نہ توڑ
کچھ کوہکن ہی سے نہیں تازہ ہوا یہ کام
بہترے عاشقی میں موئے سر کو پھوڑ پھوڑ
بے طاقتی سے میر لگے چھوٹنے پران
ظالم خیال دیکھنے کا اُس کے اب تو چھوڑ

□□□

ہوتا نہیں ہے بابِ اجابت کا وا ہنوز
نکل پڑی ہے چرخ پہ میری دعا ہنوز
دن رات کو کھنچا ہے قیامت کا اور میں
پھرتا ہوں منہ پہ خاک ملے جا بجا ہنوز
خط کاڑھ لا کے تم تو منڈا بھی چلے ولے
ہوتی نہیں ہماری تمہاری صفا ہنوز
غنچے چمن چمن کھلے اس باغِ دہر میں
دل ہی مرا ہے جو نہیں ہوتا ہے وا ہنوز
احوال نامہ بر سے مرا سن کے کہہ اٹھا
جیتا ہے وہ ستمزدہ مجبور کیا ہنوز
غنچے نہ بوجھ دل ہے کسی مجھ سے زار کا
کھلتا نہیں جو سعی سے تیری صبا ہنوز

توڑا تھا کس کا شیشہ دل تو نے سنگدل
ہے دل خراش کوچے میں تیرے صدا ہنوز
چلو میں اس کے میرا لہو تھا سو پی چکا
اڑتا نہیں ہے طائرِ رنگِ حنا ہنوز
بے بال و پر اسیر ہوں کجِ قفس میں میر
جانی نہیں ہے سر سے چمن کی ہوا ہنوز

□□□

ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز
ہے گریبان پارہ پارہ ہنوز
آتشِ دل نہیں بجھی شاید
قطرہ اشک ہے شرارہ ہنوز
اشک جھمکا ہے جب نہ نکلا تھا
چرخ پر صبح کا ستارہ ہنوز
لب پہ آئی ہے جان کب کی ہے
اُس کے موقوف ایک اشارہ ہنوز
عمر گزری دوائیں کرتے میر
درد دل کا ہوا نہ چارہ ہنوز

□□□

اے ابر تر تو اور کسی سمت کو جس
اس ملک میں ہماری ہے یہ چشم تر ہی بس
حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی گل صبا
اک برگ گل گرا نہ جہاں تھا مرا نفس
مژگاں بھی نہ گئیں مرے رونے سے چشم کی
سیلاب موج مارے تو ٹھہرے ہے کوئی خس
مجنوں کا دل ہوں محمل لیلیٰ سے ہوں جدا
تنہا پھروں ہوں دشت میں جوں نالہ جس
اے گریہ اس کے دل میں اثر خوب ہی کیا
روتا ہوں جب میں سامنے اس کے تودے ہے نفس

اس کی زباں کے عہدے سے کیونکر نکل سکوں
کہتا ہوں ایک میں تو سنا تا ہے مجھ کو دس
حیراں ہوں میر نزع میں اب کیا کروں بھلا
احوال دل بہت ہے مجھے فرصت یک نفس

□□□

کیونکہ نکلا جائے بحر غم سے مجھ بے دل کے پاس
آ کے ڈوبی جاتی ہے کشتی مری ساحل کے پاس
ہے پریشاں دشت میں کس کا غبارِ ناتواں
گرد کچھ گستاخ آتی ہے چلی محمل کے پاس

گرم ہوگا حشر کو ہنگامہ دعویٰ بہت
کاش کہ مجھ کو نہ لے جاویں مرے قاتل کے پاس
دور اس سے جوں ہوا دل پر بلا ہے مضطرب
اس طرح تڑپا نہیں جاتا کسوں کل کے پاس
پوئے خوں آتی ہے بادِ صیگا ہی سے مجھے
نگلی ہے بیدرد شاید ہو کسو گھائل کے پاس
آہ نالے مت کیا کر اس قدر بیتاب ہو
اے ستم کش میر ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس

□□□

ہر جزر و مد سے دست و بغل اٹھتے ہیں خروش
کس کا ہے راز بحر میں یارب کہ یہ ہیں جوش
ابروئے کج ہے موج کوئی چشم ہے حباب
موتی کسی کی بات ہے پیلی کسی کا گوش
ان منچوں کے کوچے ہی سے میں کیا سلام
کیا مجھ کو طوفِ کعبہ سے میں رتبہ درد نوش
حیرت سے ہووے بر تو مہ نور آئینہ
تو چاندنی میں نکلے اگر ہو سفید پوش
کل ہم نے سیر باغ میں دل ہاتھ سے دیا
اک سادہ گل فروش کا آ کر سبد بدوش

جاتا رہا نگاہ سے جوں موسم بہار
آج اُس بغیر داغ جگر ہیں سیاہ پوش
شب اس دلی گرفتہ کو وا کر بزورِ تے
ٹپٹھے تھے شیرہ خانہ میں ہم کتنے ہرزہ کوش
آئی صدا کہ یاد کرو دورِ رفتہ کو
عبرت بھی ہے ضرور تک اے جمع تیز ہوش
جشید جس نے وضع کیا جام کیا ہوا
وے صحبتیں کہاں گئیں کیدھر وے ناؤ نوش

بُج لالہ اُس کے جام سے پاتے نہیں نشان
ہے کوکنار اُس کی جگہ اب سیو بدوش
جھومے ہے بید جائے جوانانِ مے گسار
بالائے خم ہے خشت سر پیرِ مے فروش
میر اس غزل کو خوب کہا تھا ضمیر نے
پر اے زباں دراز بہت ہو چکی خموش

□□□

ہم اور تیری گلی سے سفرِ دروغِ دروغ
کہاں دماغ ہمیں اس قدرِ دروغِ دروغ
تم اور ہم سے محبت تمہیں خلاف خلاف
ہم اور الفتِ خوب دگرِ دروغِ دروغ

غلط غلط کہ رہیں تم سے ہم تنگ غافل
تم اور پوچھو ہماری خبرِ دروغِ دروغ
فروغ کچھ نہیں دعویٰ کو صبح صادق کے
شبِ فراق کو کب ہے سحرِ دروغِ دروغ
کسو کے کہنے سے مت بدگماں ہو میر سے تو
وہ اور اُس کو کسو پر نظرِ دروغِ دروغ

□□□

ہے آگ کا سا نالہء کاہش فزا کا رنگ
کچھ اور صمدِ مے ہوا ہے ہوا کا رنگ
بے گمہ شکستہ رنگی خورشید کیا عجب
ہوتا ہے زرد بیشتر اہل فنا کا رنگ
خوبی ہے اس کی تیزی تحریر سے بروں
یا اس کا طور حسن لکھوں کیا ادا کا رنگ
پوچھیں ہیں وجہ گریہ خونیں جو مجھ سے لوگ
کیا دیکھتے نہیں ہیں سب اس بے وفا کا رنگ
مقدور تک نہ گزرے مے خوں سے یار میر
غیروں سے کیا گلہ ہے یہ ہے آشنا کا رنگ

□□□

رہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
بہت اُس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ

مظاہر سب اُس کے مظاہر ہے وہ
تکلف ہے یاں جو چھپاتے ہیں لوگ
عجب کی جگہ ہے کہ اُس کی جگہ
ہمارے تئیں ہی بتاتے ہیں لوگ

رہے ہم تو کھوئے گئے سے سدا
بکھو آپ میں ہم کو پاتے ہیں لوگ
اس ابد کماں پر جو قرباں ہیں ہم
ہمیں کو نشانہ بناتے ہیں لوگ

نہ سویا کوئی شور شب سے مرے
قیامت اذیت اٹھاتے ہیں لوگ
اُن آنکھوں کے بیمار ہیں میر ہم
بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ

□□□

عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم
آ جاویں جو یہ ہر جائی تو بھی نہ جاویں جا سے ہم
گر یہ خونیں تک بھی رہے تو خاک سی منہ پراڑتی ہے
شام و سحر رہتے ہیں یعنی اپنے لہو کے پیاسے ہم

اسکی نہ پوچھو دوری میں اُن نے پرسش حال ہماری نہ کی
ہم کو دیکھو مارے گئے ہیں آ کر پاس وفا سے ہم
چمکی کیا انواع اذیت عشق میں کھینچی جاتی ہے
دل تو بھرا ہے اپنا تو بھی کچھ نہیں کہتے حیا سے ہم
کیا کیا عجز کریں ہیں لیکن پیش نہیں کچھ جاتا میر
سر گرڑے ہیں آنکھیں ملے ہیں اُس کے حنائی پاسے ہم

□□□

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں

درد اگر یہ ہے تو مجھے بس ہے
اب دوا کی بھی احتیاج نہیں
ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
مرض عشق کا علاج نہیں

شہر خوبی کو خوب دیکھا میر کا
جنس دل کا کہیں رواج نہیں

□□□

عشق کرنے کو جگر چاہیے آساں نہیں
سب کو دعویٰ ہے ولے ایک میں یہ جاں نہیں

غارت دیں میں نگہ خصمی ایماں میں ادا
تجھ کو کافر نہ کہے جو وہ مسلمان نہیں
سرسری ملے بتوں سے جو نہ ہو تاب جفا
عشق کا ذائقہ کچھ داخلِ ایماں نہیں
ایک بیدرد تجھے پاس نہیں عاشق کا
ورنہ عالم میں کسو خاطر مہماں نہیں
کیونکہ غم سرزد ہر لحظہ نہ آوے دل میں ۔
گھر ہے درویش کا یاں در نہیں درباں نہیں
ہم نشیں آہ تکلیفِ شکیبائی کر
عشق میں صبر و تحمل ہو یہ امکان نہیں
کس طرح منزلِ مقصود پہنچیں گے میر
سفر دور ہے اور ہم کئے ساماں نہیں

□□□

یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
اب دو تو جامِ خالی ہی دو میں نشے میں ہوں
ایک ایک فرطِ دور میں یوں ہی مجھے بھی دو
جامِ شراب پر نہ کرو میں نشے میں ہوں
مستی سے برہمی ہے مری گفتگو کے بیچ
جو جاہو تو بھی مجھ کو کہو میں نشے میں ہوں

یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانندِ جام سے
یا تھوڑی دور ساتھ چلو میں نشے میں ہوں
معذور ہوں جو پاؤں مرا بے طرح پڑے
تم سرگراں تو مجھ سے نہ ہو میں نشے میں ہوں
بھاگی نماز جمعہ تو جاتی نہیں ہے کچھ
چلتا ہوں میں بھی تک تو رکو میں نشے میں ہوں
نازک مزاج آپ قیامت ہیں میر جی
ہو شیشہ میرے منہ نہ لگو میں نشے میں ہوں

□□□

لب ترے لعلِ تاب ہیں دونوں پر تمامی عتاب ہیں دونوں
رونا آنکھوں کا رویے کجک چھوٹے ہی کے باب ہیں دونوں
ہے تکلف نقاب وے رخسار کیا چھپیں آفتاب ہیں دونوں
تن کے معمورہ میں یہی دل و چشم گھر تھے دُورِ خراب ہیں دونوں
کچھ نہ پوچھو کہ آتشِ غم سے جگر و دل کباب ہیں دونوں
سو جگہ اُس کی آنکھیں پڑتی ہیں جیسے مستِ شراب ہیں دونوں
پاؤں میں وہ نشہ طلب کا نہیں اب تو مستِ خراب ہیں دونوں
ایک سب آگ ایک سب پانی دیدہ و دلِ عذاب ہیں دونوں
بحث کا ہے لعل و مر جاں سے اُس کے لب ہی جواب ہیں دونوں
آگے دریا تھے دیدہ تر میر
اب جو دیکھو شراب ہیں دونوں

دل کا اُس کج لب سے دے ہیں نشاں
بات لگتی تو ہے ٹھکانے کی

وہ جو پھرتا ہے مجھ سے دور ہی دور
ہے یہ تقریب جی کے جانے کی

تیز یوں ہی نہ تھی شب آتش شوق
تھی خبر گرم اُس کے آنے کی
کسو کم ظرف نے لگائی آہ
تجھ سے میخانے کے جلانے کی

ورنہ اے شیخ شہر واجب تھی
جام داری شراب خانے کی
جو ہے سو پائمال غم ہے میر
چال بے ڈول ہے زمانے کی

□□□

چلتے ہو تو چمن کو چلے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم بادو باراں ہے
رنگ ہو سے یوں ٹپکے ہے جیسے شراب چواتے ہیں
آگے ہو میخانے کے نکلو عہد بادہ گساراں ہے

عشق کے میدان داروں میں بھی مرنے کا ہے وصف بہت
یعنی مصیبت ایسی اٹھانا کارِ کار گزاراں ہے

□□□

ہے غزل میر یہ شفا کی
ہم نے بھی طبع آزمائی کی
اُس کے ایفاء عہد تک نہ جئے
عمر نے ہم سے بے وفا کی
وصل کے دن کی آرزو ہی رہی
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی
اسی تقریب اُس گلی میں رہے
منتیں ہیں شکستہ پائی کی
دل میں اُس شوخ کے نہ کی تاثیر
آہ نے آہ نارسائی کی

کاسہ چشم لے کے جوں نرگس
ہم نے دیدار کی گدائی کی
زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میر
کس بھروسہ پہ آشنائی کی

□□□

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی
دھوم ہے پھر بہار آنے کی

دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے آنسو سارے خون ہوئے
لو ہو پانی ایک کرے یہ عشق لالہ زاراں ہے
کوہکن و مجنوں کی خاطر دشت و کوہ میں ہم نہ گئے
عشق میں ہم کو میر نہایت پاس عزت داراں ہے

□□□

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
گور کس دل جلے گی ہے یہ فلک
شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے
خانہ دل سے زہنہار نہ جا
کوئی ایسے مکاں سے اٹھتا ہے
نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا
شور اک آسماں سے اٹھتا ہے
لڑتی ہے اس کی چشمِ شوخ جہاں
ایک آشوب واں سے اٹھتا ہے
سدھ لے گھر کی بھی شعلہ آواز
دود کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے
بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو
جو ترے آستان سے اٹھتا ہے

یوں اٹھے آہ اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے
عشق اک میر بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے

□□□

برنگ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
کہ ہمراہ صبا تک سیر کرتے پھر ہوا ہوتے
سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو
وگر نہ ہم خدا تھے گر دل بے مدعا ہوتے
فلک اے کاش ہم کو خاک ہی رکھتا کہ اس میں ہم
غبارِ راہ ہوتے یا کسو کی خاک پا ہوتے
الہی کیسے ہوتے ہیں جنہیں ہے بندگی خواہش
ہمیں تو شرم دامن گیر ہوتی ہے خدا ہوتے
تو ہے کس ناحیہ سے اے دیارِ عشق کیا جانوں
ترے باشندگاں میں کاش سارے بیوفا ہوتے
اب ایسے ہیں کہ صانع کی مزاج اوپر ہم پہنچے
جو خاطر خواہ اپنے ہم ہوئے ہوتے تو کیا ہوتے
کہیں جو کچھ ملامت گر بجا ہے میر کیا جانے
انہیں معلوم تب ہوتا کہ ویسے سے جدا ہوتے

□□□

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

چشم دل کھول اس بھی عالم پر
یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

نقطہ خال سے ترا ابرو
بیت اک انتخاب کی سی ہے

آتش غم میں دل بھنا شاید
دیر سے بوکباب کی سی ہے

دیکھئے ابر کی طرح اب کے
میری چشم پر آب کی سی ہے

میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

□□□

اب ظلم ہے اس خاطر تا غیر بھلا مانے
میں ہم نہ برا مانے تو کون برا مانے

سر مایہ صد آفت دیدار کی خواہش ہے
دل کی تو سمجھ لیجئے گر چشم کہا مانے

مسدود ہی اسے قاصد بہتہ ہے رہ نامہ
کیا کیا نہ لکھیں ہم تو جو یار لکھا مانے

ہک حال شکستہ کی سننے ہی میں سب کچھ ہے
پردہ تو سخن رس ہے اس بات کو کیا مانے

بے طاقتی دل نے ساک بھی کیا ہم کو
پر میر فقیروں کی یاں کون صدا مانے

□□□

دل کے معورے کی مت کر فکر فرصت چاہئے
ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاہئے

عشق و میخواری نیچے ہے کوئی درویشی کے بیچ
اس طرح کے خرچ لا حاصل کو دولت چاہئے

عاقبت فرہاد مر کر کام اپنا کر گیا
آدمی ہووے کسی پیشے میں جرات چاہئے

ہو طرف مجھ پہلوں شاعر کا کب عاجز سخن
سامنے ہونے کو صاحب فن کی قدرت چاہے
عشق میں وصل و جدائی سے نہیں کچھ گنتگو
قرب و بعد اس جا برابر ہے محبت چاہے
نازکی کو عشق میں کیا دخل ہے اے بے الہوں
یہاں معصوبت کھینچنے کوئی میں طاقت چاہے
تنگ مت ہو ابتدائے عاشقی میں اس قدر
خیریت ہے میر صاحب دل سلامت چاہے

□□□

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے
تلوار کا بھی مارا خدا رکھے ہے ظالم
یہ تو ہو کوئی گورِ غریباں میں در آوے
میخانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہاں شیخ
دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آوے
کیا جانیں وہ مرغانِ گرفتار چمن کو
جن تک کہ بعد ناز نسیم سحر آوے
تو صبح قدم رنجہ کرے تک تو ہے ورنہ
کس واسطے عاشق کی شبِ غم بسر آوے

ہر سو سر تسلیم رکھے صیدِ حرم میں
وہ صیدِ فلکن تیغِ بکف تا کدھر آوے
دیواروں سے سر مارتے پھرنے کا گیا وقت
اب تو ہی مگر اب کبھو اس اور در آوے
واعظ نہیں کیفیتِ میخانہ سے آگاہ
اک جرعد بدل ورنہ یہ مندیٰ ہر آوے
صناع ہیں سب خوارِ ازاں جملہ ہوں میں بھی
بے عیب بڑا اُس میں جسے کچھ ہنر آوے
اے وہ کہ تو بیٹھا ہے سر راہ پہ زہنار
کہیو جو کبھو میر بلاش ادھر آوے
مت دشتِ محبت میں قدم رکھ کہ خضر کو
ہر گام پہ اُس رہ میں سفر سے حذر آوے

□□□

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
پر ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے
زہنار اگر خستہ دلاں پیستوں جاؤ
تک پاس ہنر مندیٰ فرہاد کرو گے
غیروں پہ اگر کھینچو گے شمشیر تو خواباں
اک اور مری جان پہ بیدار کرو گے

جاگہ نہیں یاں رویے جس پر نہ کھڑی ہو
کچھ شور ہی شر پر تو مجھے یاد کرو گے

اس دشت میں اے راہرواں ہر قدم اوپر
مانند جرس، نالہ و فریاد کرو گے

گردیکھو گے تم طرز کلام اُس کی نظر کر
اے اہل سخن میر کو استاد کرو گے

□□□

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

جن کی خاطر کی استخوان شکنی
سو ہم اُن کے نشان تیر ہوئے
نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں
ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے

آگے یہ بے ادائیاں کب تھیں
ان دنوں تم بہت شریہ ہوئے
اپنے روتے ہی روتے صحرا کے
گوشتے گوشے میں آب گیر ہوئے

ایسی ہستی عدم میں داخل ہے
نئے جواں ہم نہ طفل شیر ہوئے

ایک دم تھی نمود و بود اپنی
یا سفیدی کی یا اخیر ہوئے

یعنی مانند صبح دنیا میں
ہم جو پیدا ہوئے سو پیر ہوئے
میت مل اہل دول کے لڑکوں سے
میر جی ان سے مل فقیر ہوئے

□□□

ادھر سے ابر اٹھ کر جو گیا ہے
ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
مقامر خاند آفاق وہ ہے
کہ جو آیا ہے یہاں کچھ کھو گیا ہے

کچھ آؤ زلف کے کوچہ میں درپیش
مزاج اپنا ادھر اب تو گیا ہے
سربانے میر کے آہستہ بولو
ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے

□□□

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دل پر خون کی اک گلابی سے
جی ڈبا جائے ہے سحر سے آہ
رات گزرے گی کس خرابی سے
کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
برقع اٹھتے ہی چاند سا نکلا
دارغ ہوں اُس کی بنے حجابی سے
کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

□□□

کیا پوچھتے ہو عاشق راتوں کو کیا کرے ہے
گا ہے بکا کرے ہے گا ہے دعا کرے ہے
دانستہ اپنے جی پر کیوں تو جفا کرے ہے
اتنا بھی میرے پیارے کوئی کڑھا کرے ہے
فتنہ سپہر کیا کیا برپا کیا کرے ہے
سو خواب میں کبھو تو مجھ سے ملا کرے ہے
ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

کیا کہتے دارغ دل سے نکدے جگر ہے سارا
جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہے
اُس بت کی کیا شکایت راہ و روش کی کرے
پردے میں بدسلوکی ہم سے خدا کرے ہے
کیا چال یہ نکالی ہو کر جوان تم نے
اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کرے ہے
گرم آ کر ایک دن وہ سینے سے لگ گیا تھا
تب سے ہماری چھاتی ہر شب جلا کرے ہے
دشمن ہو یار جیسا درپے ہے خوں کے میرے
ہے دوستی جہاں والیوں ہی ہوا کرے ہے
سمجھا ہے یہ کہ مجھ کو خواہش ہے زندگی کی
کس ناز سے معالج میری دوا کرے ہے
حالت میں غش کے کس کو خط لکھنے کی ہے فرصت
اب جب نہ تب ادھر کو جی ہی چلا کرے ہے
سرکا ہے جب وہ برقع تب آپ سے گئے ہیں
منہ کھولنے سے اس کے اب جی چھپا کرے ہے
بیٹھے ہے یار آ کر جس جا پہ ایک ساعت
ہنگامہ قیامت والے سے اٹھا کرے ہے
سوراخ سینہ میرے رکھ ہاتھ بند مت رکھو
ان روزنوں سے دل تک کسب ہوا کرے ہے

کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے ہم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے
گل ہی کی اور ہم بھی آنکھیں لگا رکھیں گے
ایک آدھ دن جو موسم ابکی وفا کرے ہے
کہ سرزشت آن نے فریاد کی نکالی
مجنوں کا گاہے قصہ بیٹھا کہا کرے ہے
ایک آفت زماں ہے یہ میر عشق پیشہ
پردے میں سارے مطلب اپنے ادا کرے ہے

□□□

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
مدانہ کرتے نگاہ
بھم چھپا کر چلے

بہت آرزو تھی گلی کی ترقی
سو یاں سے لبو میں نہا کر چلے
دکھائی دیے یوں کہ بخود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
جہیں سجدہ کرتے ہی کرتے تھے
حق بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یاں کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے
جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں
چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے
نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے
گلی عمر در بند فکر غزل
سو اس فن کو ایسا برا کر چلے
کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

□□□

گلگشت کی ہوس تھی سو تو بگیر آئے
آئے جو ہم چمن میں ہو کر اسیر آئے

فرصت میں یک نفس کے کیا دردِ دل سنو آئے
 آئے تو تم لیکن وقتِ اخیر آئے
 دلی میں اب کی آ کر ان یاروں کو نہ دیکھا
 کچھ دے گئے شتابی کچھ ہم بھی دیر آئے
 کیا خوبی اس چمن کی موقوف ہے کسو پر
 گل گر گئے عدم کو مکھڑے نظیر آئے
 شکوہ نہیں جو اس کو پروا نہ ہو ہماری
 دروازے جس کے ہم سے کتنے فقیر آئے
 عمر دراز کیونکر مختارِ خضر ہے یاں
 ایک آدھ دن میں ہم تو جینے سے سیر آئے
 نزدیک تھی قفس میں پروازِ روح اپنی
 غنچے ہوں گلبنوں پر جب ہم صغیر آئے
 یوں بیٹھے بیٹھے ناگہ گردن لگے ہلانے
 سر شیخ جی کے گویا مجلس میں پیر آئے
 قامت خمیدہ اُس کی جیسی کماں تھی لیکن
 قرباں گہ وفا میں مانند تیر آئے
 بن جی دیئے نہیں ہے امکاں یہاں سے جانا
 بکل گہ جہاں میں اب ہم تو میر آئے

چمن یار تیرا ہوا خواہ ہے
 گل اک دل ہے جس میں تری چاہ ہے
 سراپا میں اُس کے نظر کر کے تم
 جہاں دیکھو اللہ اللہ ہے
 تری آہ کس سے خبر پائیے
 وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے
 مرے لب پہ رکھ کان آواز سن
 کہ اب تک تجھی یک ناتواں آہ ہے
 گزر سر سے تب عشق کی راہ چل
 کہ ہر گام یاں اک خطرگاہ ہے
 کبھو وادیِ عشق دکھلائیے
 بہت خضر بھی دل میں گمراہ ہے
 جہاں سے تو رختِ اقامت کو باندھ
 یہ منزل نہیں بے خبر راہ ہے
 نہ شرمندہ کر اپنے منہ سے مجھے
 کہا میں نے کب یہ کہ تو ماہ ہے
 یہ وہ کارواں گاہِ دلکش ہے میر
 کہ پھر یاں سے حسرت ہی ہمراہ ہے

دُھب ہیں تیرے داغ میں گل کے بو گئی پچھ دماغ میں گل کے
جائے روغن دیا کرے ہے عشق خون بلبل چراغ میں گل کے
دل تسلی نہیں صبا ورنہ جلوے سب پیگے داغ میں گل کے
اس حدیقے کے پیش پر مت جا سے نہیں ہے ایام میں گل کے
سیر کر میر اس چمن کی شتاب
ہے خزاں بھی سراغ میں گل کے

□□□

شع صفت جب بکھوم جائیں گے ساتھ لئے داغ جگر جائیں گے
تند نہو ہم تو موئے پھرتے ہیں کیڑی ان باتوں سے ڈر جائیں گے
کھل گئے رخسار اگر یار کے شمس و قمر جی سے اتر جائیں گے
خالی نہ چھوڑیں گے ہم اپنی جگہ گرہی رونا ہے تو بھر جائیں گے
راہ دم تق پے ہو کیوں نہ میر
جی پر رکھیں گے تو گزر جائیں گے

□□□

قیامت ہیں یہ چپاں جاے والے گلوں میں جن کی خاطر خرتے ڈالے
وہ کالا چور ہے خالی رُخ یار کہ سو آنکھوں میں دل ہو تو پڑا لے
نہیں اٹھتا دلی محزون کا ماتم خدا ہی اس مصیبت سے نکالے
کہاں تک دور بیٹھے بیٹھے کہے کبھو تو پاس ہم کو بھی بلا لے

لا بازی نہ کر ان گیسوؤں سے نہیں آساں کھالے سانپ کانے
پیش نے دل جگر کی مار ۱۱۱۹ بغل میں دشمن اپنے ہم نے پالے
نہ مہکے بوئے گل اے کاش یک چند ابھی زخم جگر سارے ہیں آ لے
کے قید قفس میں یاد گل کی پڑے ہیں اب تو جینے ہی کے لالے
ستایا میر غم کش کو کنبوں نے
کہ پھر اب عرش تک جاتے ہیں نالے

□□□

بے یار شہر دل کا ویران ہو رہا ہے
دکھائی دے جہاں تک میدان ہو رہا ہے
اس منزل جہاں کے باشندے رفتی ہیں
ہر اک کے یاں سفر کا سامان ہو رہا ہے
اچھا لگا ہے شاید آنکھوں میں یار اپنے
آئینہ دیکھ کر کچھ حیران ہو رہا ہے
گل دکھ کر چمن میں تجھ کو کھلا ہی جا ہے
یعنی جی سے قربان ہو رہا ہے
حال زیون اپنا پوشیدہ کچھ نہ تھا تو
ستنا نہ تھا کہ یہ صید بے جان ہو رہا ہے
ظالم اُدھر کی سدھ لے جوں شع صبح گاہی
ایک آدھ دم کا عاشق مہمان ہو رہا ہے

قرباں گہ محبت وہ جا ہے جس میں ہر سو
دشوار جان دینا آسان ہو رہا ہے
ہر شب گلی میں اس کی روتے رہے جو ہم تو
اک روز میر صاحب طوفان ہو رہا ہے

□□□

دن دوری چہن میں جو ہم شام کریں گے
تا صبح دو صد سالہ نہ انجام کریں گے
ہوگا تم و جور سے تیرے ہی کٹنا یہ
دو شخص جہاں شکوہ ایام کریں گے
آمیزش بیجا ہے تجھے جن سے ہمیشہ
وے لوگ ہی آخر تجھے بدنام کریں گے
نالوں سے مرے رات کے غافل نہ رہا کر
اک روز یہی دل میں ترے کام کریں گے
گر دل ہے یہی مضطرب الحال تو اے میر
ہم زیرِ زمیں بھی بہت آرام کریں گے

□□□

مثنویات

جھوٹ

اے جھوٹ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے
شیوہ یہی سبکوں کا یہی سب کا طور ہے
اے جھوٹ تو شعار ہوا ساری خلق کا
کیا شبہ کا کیا وزیر کا کیا اہلِ دلق کا
اے جھوٹ تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے
اے جھوٹ تو غضب ہے قیامت ہے قہر ہے
اے جھوٹ رفتہ رفتہ ترا ہو گیا رواج
تیری متاع باب ہے ہر چار سو میں آج
اے جھوٹ کیا کہوں کہ بلا زیر سر ہے تو
اے جھوٹ سچ یہ ہے کہ عجب قتنہ گر ہے تو
اے جھوٹ کب سے عرصے میں تجھ سا حریف اب
تیرے ہی حکم کش ہیں وضع و شریف اب
اے جھوٹ کب سے شہر میں ہیں تابعین سبھی
مر جائے کیوں نہ کوئی بھی سچ بولیں نہ کبھی
کہنے سے آج اُن کے کوئی دل نہ شاد ہو
فردا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو

وعدہ گزشتہ کے پیروں سب آرزو تھے
 برسوں تک انتظار کیا جی جا چکے
 یوسف کہ تھا نبی و صداقت شعار تھا
 پھر حسن ظاہری سے وہ باغ و بہار تھا
 پایاں کار تیرے سب چاک پیچن
 زنداں میں جا کے برسوں رہا چھوڑ کر وطن
 اے جھوٹ تو تو ایک دل تو یہ ہے بلا
 آشوب گاہ تجھ سے زمانہ جدا رہا
 کس جاں گنی سے کوہ کنی کوہ کن نے کی
 تصویر کھود شیریں کے پیش نظر رکھی
 اے جھوٹ رنگ تیرے کرے کوئی کیا بیاں
 رکھتا ہے جیسے غنچہ زباں تو تہہ زباں
 نزدیک جب ہوا کہ وہ مطلوب سے ملے
 اب صبح و شام غنچہ مقصود دل کھلے
 دلالہ کے تو پردے میں آ کام کر گیا
 دو باتوں میں وہ عاشق دل خستہ مر گیا
 اے جھوٹ تجھ سے فتنے ہزاروں اٹھا کیے
 ہنگامہ و فساد بھی ہر سو رہا کیے
 اے جھوٹ راستی سے نہیں گفتگو کہیں
 کہنے کو ہاں کہیں ہیں حقیقت میں ہے نہیں

اے جھوٹ اس طرح میں بہت جی سے جا چکے
 وعدے میں آہ لوگوں کے وعدے ہی آ چکے
 اے جھوٹ اس زمانے میں کیوں کر چلے معاش
 ہے تنگ جھوٹ بولنے سے عرصہ تلاش
 سردار جس سے سب متعلق ہے کارہ بار
 جج بولنا ہے اس کے تئیں تخت ٹٹ و عار
 پھر سب مدار کار درویش و مفتی
 صدق و عفا و راستی کے عیب سے بڑی
 مشکل حصول کام ہے یاں حاصل کلام
 باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام
 اے جھوٹ دل مرا بھی بہت دردناک ہے
 ان کاذبوں سے صبح غلط جیب چاک ہے

گھر کا حال

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال
 اس خرابے میں میں ہوا پامال
 گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
 سخت دل تنگ یوسف جاں ہے
 کوچہ موج سے ہے آگن تنگ
 کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ
 چار دیواریں سو جگہ سے خم
 تر تنگ ہو تو سوکتے ہیں ہم
 لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے مائی
 آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

کیا تھے مینہ سقف پہلانی تمام
اس چلش کا علاج کیا کرے
جا نہیں مینہ کو مینہ کے چل
آنکھیں بھرا کے یہ کہیں ہیں سب
جھاڑ باندھا ہے مینہ نے دن رات
باؤ میں کانپتے ہیں جو تھر تھر
کچل لے لے کے جوں توں چھو پاپے
تس کو پھر پرچھتی بھی ہے ہی نہیں
ڈھاگو دیوار یا اٹھ رھو
ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں گھونسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں گھر ہے کسو پچھوندہ کا
کوئے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں
جی اسی حجرے ہی میں بھرتا ہے
رکھ کے دیوار ایدھر اودھر سے
چارپائی جب اس میں بچھوائی
سام ابرص کہ ہے دوائے خراج
بیکر اپنی خدا نے رکھی ہے
آگے اس حجرے کے ہے اک ایوان

چھت سے آنکھیں مٹی رہے ہیں مدام
راکھ سے کب تلک نرہے بھرے
بے چلش سے تمام ایوان چل
کیوں کہ پردہ رہے گایا رب اب
گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات
ان پہ ردا رکھے کوئی کیوں کر
چھوپا کا ہے کو ہے یہ تھوپا ہے
نونا اک بوریا سا ڈالو کہیں
یا ہمارے لیے بچھا رھو
سو شکت تر از دل عاشق
کہیں جھڑجھڑ کے ڈھیر ہے خاک
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے
لا کے یارب بناؤں کس گھر سے
پہلے چلپاسہ ہی نظر آئی
ہر جگہ یاں سے ہے نمایاں آج
ڈانس اک ایک جیسی مکھی ہے
وی اس نگ خلق کا ہے مکاں

کڑی تختے تہی دھنویں سے سیاہ
کوئی تختہ مکاں سے دوتا ہے
دب کے مہر ہمیشہ مد نظر
منی تو وہ جو ڈالی چھت پر ہم
مضطرب ہو کے جو بچھائی بہت
پتھر سے اس منی میں کرفتی ہے
دیں ہیں از داڑیں پھر جودہ سے زیاد
اینٹ من کا در کے آگے ڈھیر
جیتے ہیں جب تلک نہیں پہنچی
گنتی دیوار کی نیٹ بے حال
توتا مینا تو ایک بابت ہے
کیوں کہ ساون کئے گا ب کی بار
ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا
ہو کے مضطرب لگے ہیں کہنے سب
تیزی یاں جو کوئی آتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ
ایک دن ایک کوا آ بیٹھا
جیل سے لوگ دوڑتے کرتے شور
ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے
نہیں وہ زاغ چار پاؤں پھرا

اس کی مہیت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کوئی داسہ مکاں سے چھوتا ہے
گھر کہاں صاف موت ہی کا گھر
تھے جو شہتیر جوں مکاں ہیں ثم
ہر کڑی نے کڑی اٹھائی بہت
تختہ تختہ ہوئی یہ تختی ہے
چل ستوں سے مکاں وے ہے یاد
گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر
ور نہ کیا بس ہے جو نہیں پہنچی
پڈری کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
پودنا پھد کے تو قیامت ہے
تھر تھرا دے بھنبھیری سی دیوار
شاق گزرے ہے کیا کہوں کیا
اڑ بھنبھیری کہ ساون آیا اب
جان محزون نکل ہی جاتی ہے
کہیں کھسکے تو ہے قیامت تنگ
بے گماں جیسے ہوا آ بیٹھا
کہ نہ حائل میں کچھ رہا تھا زور
دوڑے اچھلے کہ بال بال چلے
ایک کالا پھاڑ آن گرا

جی ذبا اور چھاتی بھی جسکی
بارے جندی درست کی دیار
بر سے ہے یک خرابی گھر در سے
زلفی زنجیر ایک کہنہ حدید
چھیر لیجے تو پھر تری ہے خاک
قدر کیا گھر کی جب کہ میں ہی نہ ہوں
ہے خرابی ہے شہر میں مشہور
ساری بستی میں ہے یہی تو خراب
جیسے وہ ہو شیخ میں ہ
سوئے نہیں میں سب ہوئے تھندے
پاکے رہنے لگے ہیں گئے سب
پھوس بھی تو نہیں ہے چھپر پر
وہ رہے یاں جو ہووے ڈھب والا
یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
نگری اس جھگڑے میں گئی برباد
کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لا لا
تیج کوئی لڑاؤں فند کروں
کچھ نہیں ہائے مجھ سے ہو سکتا
کپڑے رہتے ہیں میرے افتانی
کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیل ہوں

مٹی اس کی کہیں کہیں بھسکی
سان کر شاہ لگ گئے دو چار
ایکے ہوں گے ٹنڈر بھی اس گھر سے
اکھڑے پھوٹے کواڑ نوئی و صید
خاک لوہے کو جیسے کھاوے پاک
بند رکھتا ہوں در جو میں رہوں
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور
جس سے پوچھو اسے تادے شتاب
ایک چھپر ہے شہر دن کا
بائس کی جا دیے تھے سرکنڈے
گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب
مٹھ میں کیوں نہ بھیکے یک سر
مٹی ہو کر گرا ہے سب والا
واں پہ ٹکا تو یاں سرک بیٹھا
حال کس کو ہے اوتی کا یاد
کہیں صحت رکھوں کہیں پیلا
نیکے دو چار جا تو بند کروں
یاں تو جھانکے ہزار میں تہا
بس کہ بد رنگ نیکے ہے پانی
کوئی جانے کہ ہولی کھیل ہوں

مجھ سے کیا واقعی ہوا چارہ
بان جھینگر تمام چٹ گئے
تکے جاں دار میں ہو میں و کم
ایک کھینچے سے چوچ سے کر زور
پوچھ مت زندگانی کیسی ہے
کیا کہوں جو جفا چنش سے کسی
بوریا پھیل کر بچھا نہ گھو
ڈیوڑھی کی یہ خولی در ایسا
جنس اعلیٰ کوئی تھو! کھات
تھنلوں سے سیاہ سے سو بھی
شب پھوٹا جو میں بیچتا ہوں
کیزا اک ایک پھر کھوڑا ہے
ایک چنگی میں ایک چھنگلی پر
گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
سلطے راتوں کو گھس گئیں پوریں
ہاتھ نیچے پہ گہ بچھونے پر
سلایا جو پانچتی کے اور
تو شک ان رگڑوں ہی میں سب پھاٹی
جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان
نہ کھولا نہ کھاٹ سونے کو

آساں جو پھٹے تو کیا چارہ
بھیک کر بائس پھوٹ پھوٹ
تن پہ چڑیوں کو جٹ ہے باہم
ایک مری پہ کر رہی ہے تھ
ایسے پھیر کی ایسی تھیں ہے
چارپالی ہمیشہ سر پہ رہی
کوئی ہی میں کھڑا رہا یک سو
چھپر اس چوٹیلے کا گھر ایسا
پائے پی رہے ہیں جن کے یہاں
شین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی
سر پہ روز سیاہ اتا ہوں
سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے
ایک اگٹھا دکھا دے انگلی پر
پر مجھ کھانا نے مل مارا
ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں
کبھو چادر کے کونے کونے پر
وہیں سلا کر ایڑیوں کا زور
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی
ساری کھانوں کی چولیس نکلیں ندان
پائے پٹی لگانے کونے کو

سیتا کے سے دانے مرجھانے
آنکھ منہ ناک کان میں گھٹل
آنکھ سے تابکاہ خواب گئی
سینکڑوں ایک چارپائی میں
کب تلک ہوں ٹوٹے رہے
اس میں سی سالہ وہ گری دیوار
تھے جو ہمسائے وہ ہیں ہم خانہ
جیسے رستے میں کوئی بو بیٹھے
کاش جنگل میں جائے میں بت
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز
اس کے اجڑا بکھرنے سب لاگے
پانی جز جز میں اس کے پیٹھ گیا
ناگہاں آسمان ٹوٹ پڑا
کوئی اُس دم نہ یار تھا اپنا
خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر
پر خدا مجھ سے میرا سیدھا تھا
یا ملک آسمان سے آئے
کام نے شکل پکڑی باتوں میں

جب نہ تب پنڈے پر لیے پائے
سوئے تنہا نہ بان میں گھٹل
کہیں پھر کا کہ جی سے تاب گئی
ایک بتیلی پہ ایک گھائی میں
باتھ کو چین ہو تو کچھ کہے
یہ جو بارش ہوئے تو آخر کار
آہ بھینچی خرابی کیا کیا نہ
ایسے ہوئے ہیں گھر میں تو بیٹھے
دو طرف سے تھکتوں کا رہتا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دستکاروں
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نذر
وہ جو ایوان تھا حجرے کے آگے
کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا
کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
میں تو حیران کار تھا اپنا
اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یک سر
چرخ کی کج روی نے پیسا تھا
کتنے اک لوگ اس طرف دھائے
مٹی لے لے گئے وہ ہاتھوں میں

صورت اس لڑکے کی نظر آئی
آنکھ کھولی ادھر ادھر دیکھا
قدرت حق دکھائی دی آ کر
داشت کی کوٹھری میں لا رکھا
داشت کی کبھی دوست داروں کو
کہ مری بود و باش یاں نہ رہے
شہر میں جا بہم نہ پہنچی کہیں
اب وہی گھر ہے بے سرو سایہ
دن کو ہی دھوپ رات کو ہی اوس
قصہ کوتہ دن اسے کھونا ہوں
نہ اثر بام کا نہ پتھر در کا
ہم جو مرتے تھے جان سی آئی
اس خرابی کو بھی نظر دیکھا
یعنی نکلا درست وہ گوہر
گھر کا غم طاق پر اٹھا رکھا
پھر بندھا یہ خیال یاروں کو
گو تصرف میں یہ مکاں نہ رہے
چار و ناچار پھر رہا میں وہیں
اور میں ہوں وہی فرومایہ
خواب راحت ہے یاں سے سو کوکوں
رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں
گھر ہے کا ہے کا نام ہے گھر کا

برسات کی شدت

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے
اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے
ظلمتیں اس کی سب پہ روشن ہیں
زندہ در گور ہم کئی من ہیں
ہے جو سرکوب اک بڑی دیوار
واں سے جھانکو تو ہے اندھیرا غار

نکت بد دیکھ سارے پرنا لے
اس کے معمار نے اوپر ڈھالے
اب جو آیا ہے موسم برسات
دن و بے اپنے ہاں اندھیری رات
محسن میں آب تیز بالا ہے
کوچہ موج ہے کہ نالا ہے
مینہ میں گھر کے پانچ تیتے چھپر
ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پہ
پتہ تلک تے تے پتہ ایک نئے
سہ ماہیوں کے گھوسلوں کو گئے
دل ہے پچھ مازیوں کا احساں مند
کہ جنہوں نے کیے ہیں جھانکے بند
پھوس کچھ ہے کہیں سو آتا ہے
بانس کو جھینگروں نے چانا ہے
اڑ گئی گھاس مٹی ہے والا
ہے جو بندھن سو مکڑی کا جالا
اپنے بندھن سے جو کہ چھوٹا ہے
ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے
کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو
باندھتا ہوں بچان رہنے کو

بند جھانکوں کو کیجئے تا کے
یاں تو یک آسمان ٹوٹا ہے
تھکی دینے کو جا اڑے میں ہم
سر پہ ٹھنڈے کھڑے ہیں ہم
نمایاں تھیں جو آگے چھپر کے
بہتی پھرتی ہیں محسن میں گھر کے
تھے سب کھڑے ہیں پانی میں
خاک ہے ایسی زندگانی میں
اب تو اس سے بھی حال بدتر ہے
سر پہ ٹھنڈا ہے تس پہ چھپر ہے
پاک اس ڈول سے ہے سر دیوار
جیسی چھد ہو عاشقوں کی فکار
متصل ٹپکے ہے نہ باراں تو
گریہ زار سوگ داراں تو
گھر کی صورت جو اور ہوئی ہے
چھت بھی بے اختیار روئی ہے
مینہ یکبارگی جو ٹوٹ ہے
کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ ہے
بہ گئے گولے تختے ڈوب گئے
غرض اجڑائے سقف خوب گئے

موج ہستی ستون میں بیٹھی
جان غم تاک خوں میں بیٹھی
لے گیا تیچ و تاب پانی کا
کوٹھری تھی حباب پانی کا
یوں دھنسا گھر کہ بار خاطر تھا
آہ کس دہ نبار خاطر تھا
اکھڑی رہیں سب مندریں
لہری پانی : جھاڑو دیتی پھری
ساری بنیاد پانی نے کاٹی
اینت کے گھر کو کر دیا مانی
جھک گئے سب ستون در بیٹھا
وہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا
جب اجارے پہ آ کے چھت ٹھیری
ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھیری
آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں
کوٹھی پہ بیٹھ کر نکلیں
دب کے مرنے سے ڈوب مرنا خوب
ہے کنارا یہاں سے کرنا خوب
سن کے ہر اک کہ جی میں ڈر آیا
خاطروں میں یہ حرف ٹھیرایا

گٹھڑی کپڑوں کی میں اٹھائی تھی
سر پہ بھائی کے چار پائی تھی
بوجھ کپڑوں کا جن نے باندھا تھا
اس کا سارا نگار کاندھا تھا
ساتھ کوئی چراغ لے نکلا
کوئی سر پر اجاغ لے نکلا
چھانج کی کر کے کوئی اوٹ چلا
میٹھ کے مارے کوئی تو لوٹ چلا
منہ پہ چھپتی کو ایک نے روپا
ایک نے سر کی کا کیا گھوپا
ایک نے جھینکے حال حال لیے
پائے پٹی گھلے میں ڈال لیے
ایک نے بوریہ لیٹ لیا
اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا
اچھا اسباب گھر سے ہم لے کر
افغانی سب کے ہاتھ میں دے کر
صف کی صف نکلی اس خرابی سے
تاکہ پہنچیں کہیں شتابی سے
میر جی اس طرح سے آتے ہیں
جیسے بکھر کہیں کو جاتے ہیں
جن نے اُس وقت آنکھ کو کھولا
ہنس کے بے اختیار وہ بولا

سن کے اس بات و تر آئے ہم
بارے اک بھائی کے گھر آئے ہم
تب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب
نہیں ملتا ہے گھر بقدر حباب
جس میں خوش یہ نفس معاش کریں
طور پر اپنے بود و باش کریں

خواب و خیال

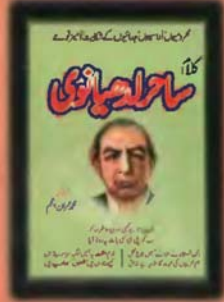
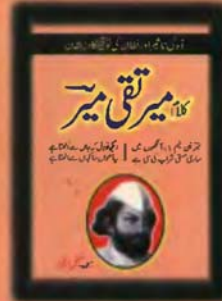
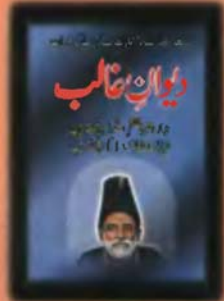
خوشا حال اس کا جو معدوم ہے
رہیں جان غم ناک کو کاہشیں
زمانے نے رکھا مجھے متصل
گئی کب پریشانی روزگار
وطن میں نہ اک صبح میں شام کی
اٹھاتے ہی سر یہ پڑا اتفاق
جلاتے تھے مجھ پر جو اپنا داغ
جدائی نے آوارہ چاہا مجھے
رفیقوں سے دیکھی بہت کوتاہی
کہ احوال اپنا تو معلوم ہے
گئیں دل سے نوید سو خواہشیں
پراگندہ روزی پراگندہ دل
رہا میں تو ہم طالع زلف یار
نہ پہنچی خبر مجھ کو آرام کی
کہ دشمن ہوئے سارے اہل وفاق
دکھانے لگے داغ بالائے داغ
مری بے کسی نے نہاں مجھے
غریبی نے اک عمر کا ہم سری

مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا

غریبانہ چندے بسر لے گیا

□□□

ہر دور کے نمائندہ شعراء کے سدا بہار مجموعہ ہائے کلام



قیمت فی کلام: 00-36 روپے

مکتبہ الفتوح
سکرہ نمبر 30 - قیصری منزل عزیز مارکیٹ، اردو بازار لاہور
فون: 0333-4304938